

از رفیع کلاسیک

گلیاتِ شیعہ

محمد مصطفیٰ خاں شیعہ

کب علی خاں قانع

مجلس ترقی ادب لاہور

شیفتہ مہالد دہلی سے تھے - اردو میں
استاذ الاساتذہ حکیم مومن خان مومن مرحوم سے
تلمذ تھا اور فارسی میں مرزا نوشہ سے مشورہ
کرتے تھے -

شعراے دہلی کے قدیم انداز کی کیفیتیں
جیسی ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں ، ویسی
ان کے معاصرین میں سے کسی کو نصیب نہیں
بلکہ حق یہ ہے کہ اس ہا کمال کے ساتھ دہلی
کے قدیم طرز سخن کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی
ایک خاص وجہ تھی ، یعنی یہ کہ شیفتہ کے
بعد ، یہ استثنائے چند ، اہل دہلی سے
علوم و فنون کا چرچا جاتا رہا - یہاں تک کہ
وہ فارسی سے بھی بیگانہ ہوتے گئے اور اس لیے
میر و میرزا ، غالب و مومن کا رنگ جس کے
مضمون کی بلندی ، الفاظ کی متانت ، ترکیبوں
کی خوبی اعلیٰ درجے کے صحیح مذاق اور
استعداد سے تعلق رکھتی ہے ، ان کے قبضے
سے نکل گیا - چنانچہ آج کل مشاہیر
شعراے دہلی کا کلام صرف خوبی زبان اور
بے تکلفی کی بنا پر شہرت رکھتا ہے -

(حسرت موہانی)

بہجوں غنچائے گلشنِ مہربان و بفضلِ خلاقِ زوربان

اردو کا گلہری کی ادب

کلیاتِ شیعہ

کب ملتا تھا غنائ

نہایت

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۰۰۰ء نگرہ دہلی گاندھی لائبریری
کب روڈ

فہرست

صفحات

مقدمہ : از کلبہ علی خان فائق - - - - ۱۵ تا ۳۸

ردیف الف

- ۱۔ خواہاں ہوں ہوئے باغِ تنزہ شمیم کا - - - ۳۹
- ۲۔ یہ فیض عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا - - - ۴۲
- ۳۔ جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا - - - ۴۳
- ۴۔ کیا فائدہ لصیحتِ نا سودمند کا - - - ۵۴
- ۵۔ کچھ انتظار مجھ کو نہ مے کا نہ ساز کا - - - ۶۵
- ۶۔ نہ اس زمانے میں چرچا ہے دانش و دیں کا - - ۶
- ۷۔ ہائے اس برق جہاں سوز پر آنا دل کا - - - ۷
- ۸۔ ہم پر ہے التفات ہمارے حبیب کا - - - ۸
- ۹۔ محو ہوں میں جو اس ستم گر کا - - - ۹
- ۱۰۔ سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا - - - ۹، ۱۹
- ۱۱۔ اس بزم میں ہر چیز سے کم تر نظر آیا - - ۱۱، ۱۰
- ۱۲۔ جب رقیبوں کا ستم یاد آیا - - - ۱۲، ۱۱
- ۱۳۔ قبر پر وہ بت کلی فام آیا - - - ۱۳، ۱۲
- ۱۴۔ اس سے میں شکوے کی جا شکر ستم کر آیا - ۱۴، ۱۳
- ۱۵۔ رات واں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا - ۱۵، ۱۴

صفحہ

مصرع

- غزل نمبر ۱۶ - جفا و جور کا اس سے گلہ کیا - - - - ۱۶، ۱۵
- ” ۱۷ - وہ بڑی وحش عشق کے افسوں سے مائل ہو گیا ۱۸، ۱۷
- ” ۱۸ - یار کو محروم تماشا کیا - - - - ۱۹، ۱۸
- ” ۱۹ - اس جنبش ابرو کا گلہ ہو نہیں سکتا - - - - ۱۹
- ” ۲۰ - صبح ہونے ہی گیا گھر یہ تاباں میرا - - - - ۲۰
- ” ۲۱ - گور میں یاد قد یار نے سونے نہ دیا - - - - ۲۱، ۲۰
- ” ۲۲ - آج ہی کیا آگ ہے سرگرم کیں تو کب نہ تھا ۲۲، ۲۱
- ” ۲۳ - میں پریشان گرد اور محفل نشینی تو کب نہ تھا ۲۳، ۲۲
- ” ۲۴ - میں وصل میں بھی شیفہ حسرت طلب رہا - ۲۴
- ” ۲۵ - بس کہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا - - - - ۲۴، ۲۳
- ” ۲۶ - جس داغ غم رشک سے جل جائے تو اچھا - ۲۴
- ” ۲۷ - ہلا جام ساقی مٹے ناب کا - - - - ۲۶، ۲۵
- ” ۲۸ - تقلید علو سے ہمیں ابرام نہ ہوگا - - - - ۲۷، ۲۶
- ” ۲۹ - دیکھوں تو کہاں تک وہ تلفت نہیں کرتا ۲۸، ۲۷
- ” ۳۰ - اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا - - - - ۲۹، ۲۸
- ” ۳۱ - کیا لائق زکوٰۃ کوئی بے نوا نہ تھا - - - - ۳۰، ۲۹
- ” ۳۲ - کل نغمہ گر جو مطرب جادو ترانہ تھا - - - - ۳۰

ردیف ہا

- ” ۳۳ - تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب - - - - ۳۱
- ” ۳۴ - ہوں ہزم گلِ رخاں میں ہے اس دل کو اضطراب ۳۰

صفحہ

مصرع

غزل نمبر ۳۵۔ کیا آٹھ گیا ہے دہدہ اغیار سے حجاب ۔ ۔ ۳۳۴۳

ردیف تا

۳۶۔ دشمن سے ہے میرے دل مضطر کی شکایت ۳۴۴۳

ردیف تا

۳۷۔ اس وفا کی مجھ سے پھر آمید واری ہے عبث ۳۵۴۳

۳۸۔ نہ کر فاش راز گلستان عبث ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۶۴۳

ردیف جیم

۳۹۔ اے شیفہ نوید شب غم سحر ہے آج ۔ ۔ ۔ ۳۷

ردیف جیم فارسی

۴۰۔ شیفہ ہجر میں تو نالہ شب گیر نہ کہینچ ۔ ۔ ۳۸

ردیف حا

۴۱۔ ناصح تہاں ہے شیفہ نیم جاں کی طرح ۔ ۔ ۔ ۳۹

ردیف خا

۴۲۔ دیا ہے بوسہ مجھے جب کہ میں ہوا گستاخ ۔ ۔ ۴۰

ردیف دال ذال

۴۳۔ روز غم میں کیا قیامت ہے شب عشرت کی یاد ۴۱

۴۴۔ طلب بوسہ ہو اس لب سے شکر آب لذیذ ۔ ۴۲، ۴۱

ردیف رے

۴۵۔ وصل کے لطف آٹھاؤں کیوں کر ۔ ۔ ۔ ۴۳، ۴۲

صفحہ

مصرع

- غزل نمبر ۴۶ - شیفہ آیا ہوں میں کس کا تماشا دیکھ کر ۴۴/۴۳
 دو ۴۷ - تھا قصدِ یوسہ نشے میں سرشار دیکھ کر - - ۴۵
 دو ۴۸ - یوں پاس بوالہوس رہیں چشم غضب سے دور ۴۶

ردیف زے

- دو ۴۹ - ہم بے نشان اور وفا کا نشان ہنوز - - ۴۸/۴۷
 دو ۵۰ - ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز - - - ۴۸/۴۹

ردیف سین

- دو ۵۱ - دور رہنا ہم سے کب تک اور بیگانی کے پاس ۴۹/۵۰

ردیف شین

- دو ۵۲ - آٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش - ۵۰/۵۱

ردیف صاد

- دو ۵۳ - آن کو دشمن سے ہے محبت خاص - - - ۵۱/۵۲

ردیف ضاد

- دو ۵۴ - ہے دل کو یوں ترے دم اعجاز اثر سے فیض ۵۲/۵۳

ردیف طا

- دو ۵۵ - لازم ہے بے وفا تجھے اہل وفا سے ربط - - ۵۳/۵۴

ردیف ظا

- دو ۵۶ - ترے فسوں کی نہیں میرے دل میں جا واعظ ۵۴/۵۵

صفحہ

مصرع

ردیف عین

غزل نمبر ۵۷- خورشید کو اگرچہ نہ پہنچے خیالے شمع ۵۶،۵۵

ردیف عین

۵۸- کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ ۵۷،۵۶

ردیف فا

۵۹- واں ہوا پردہ آٹھانا موقوف - - - - ۵۸،۵۷

ردیف قاف

۶۰- پابندی' وحشت میں ہیں زنجیر کے مشتاق ۵۸،۵۹

ردیف کاف

۶۱- رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آئے لب تلک ۵۹-۶۰

ردیف لام

۶۲- طالع خفتہ دشمن نہ جگنا شب وصل - - ۶۰،۶۱

۶۳- اصحاب درد کو ہے عجب تیزی' خیال - ۶۱،۶۲

۶۴- یان کے آئے میں نہیں ان کو جو تمکین کا خیال ۶۲،۶۳

۶۵- بلبل کو بھی نہیں ہے دماغ صدائے گل - ۶۳،۶۴

ردیف میم

۶۶- کہ ہم سے خفا وہ میں کہے ان سے خفا ہم ۶۴،۶۵

۶۷- مر گئے ہیں جو ہجر یار میں ہم - - - - ۶۵

صفحات

مصرع

- غزل نمبر ۶۸ - مطبوع یار کو مے جفا اور جفا کو ہم - - - ۶۶
 ۶۹ - بچتے ہیں اس قدر جو آدھر کی ہوا سے ہم ۶۷
 ۷۰ - کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم ۶۸

ردیف نون

- ۷۱ - کیوں نہ آؤ جائے سرا خواب ترے کوچے میں ۶۹
 ۷۲ - کچھ درد ہے مطربوں کی لیے میں - - - ۷۰
 ۷۳ - روزِ خون ہوتے ہیں دوچار ترے کوچے میں ۷۱
 ۷۴ - شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں ۷۲
 ۷۵ - مانا سحر کو یار آئے یاں جلوہ گر کریں - ۷۳
 ۷۶ - شب وصل کی ابھی چین سے کیوں کر بسر کریں ۷۴
 ۷۷ - کب ہاتھ کو خیال جزائے وفو نہیں - - ۷۵
 ۷۸ - کچھ اور بے دلی کے سوا آرزو نہیں - - ۷۶
 ۷۹ - ہم سے آزاد روش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں ۷۷
 ۸۰ - گرم جوشی ہے مگر فرق شرارت میں نہیں ۷۸
 ۸۱ - نہ مجدہ ریز ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں - ۷۹
 ۸۲ - عذراک ہاتھ لگا ہے انہیں یاں آنے میں - - ۸۰
 ۸۳ - مے ستم کہ رشک کا ان کے کہاں میں امتحاں ۸۱
 ۸۴ - تنک تھی جا خاطر ناشاد میں - - - - ۸۲
 ۸۵ - مے استزاج مشک مئے لعل قام میں - - - - ۸۳
 ۸۶ - اثر آہِ دل زار کی افواہیں ہیں - - - - ۸۴

مصرع

صفحات

- غزل نمبر ۸۷- خوش رو بدخو ہیں کیا میں چاہوں - - - ۸۴، ۸۱
- ۸۸- عہد ثبات عہد پہ ہے متصل نہیں - - - ۸۳، ۸۲
- ۸۹- کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم تم کو غم نہیں ۸۳، ۸۴
- ۹۰- مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنماں نے جوانی میں ۸۳، ۸۵
- ۹۱- کب نگہ آس کی عشوہ باز نہیں - - - ۸۵، ۸۶
- ۹۲- کون سے دن تری یاد اے ات مفاک نہیں - ۸۶
- ۹۳- کون ہے جو کام ہوس یاب نہیں - - - ۸۶، ۸۷
- ۹۴- ناز و تمکین ہے وہاں صبر کی پاں تاب نہیں ۸۷، ۸۸
- ۹۵- جی جائے ہر جفا میں ہمارا زباں نہیں - ۸۸ تا ۹۰
- ۹۶- دل کا گلہ فلک کی شکایت جہاں نہیں - - - ۹۰، ۹۱
- ۹۷- آرام سے ہے کون جہاں خراب ہیں - - - ۹۱، ۹۲
- ۹۸- شوخی نے تیری لطف نہ رکھا حجاب میں ۹۲، ۹۳
- ۹۹- ناچار میں خسوش وہ ناحق عتاب میں - - - ۹۳، ۹۴
- ۱۰۰- گر کچھ خلل نہ آئے تمہارے فراخ میں - ۹۳، ۹۵
- ۱۰۱- ہائی ہے بوئے دوست عنادل نے باغ میں - - - ۹۵
- ۱۰۲- عید ہے اور ہم کو عید نہیں - - - - ۹۶
- ۱۰۳- ہے گوئہ گوئہ شک ابھی عفو گناہ میں - ۹۷، ۹۸

ردیف واو

- ۱۰۴- ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو ۹۸، ۹۹
- ۱۰۵- فروغ مہر نہ ہو رخ پہ گر نقاب نہ ہو ۹۹، ۱۰۰

- غزل نمبر ۱۴۵۔ وہ جو آٹھ بجانِ رغبت ہو گئی - - - ۱۳۴، ۱۳۳
- ” ۱۴۶۔ ملنے کا مرے اور ترے چرچا نہ کریں گے ۱۳۵، ۱۳۴
- ” ۱۴۷۔ کیوں نہ مجھ کو مرضِ یاس کی شدت ہو جائے ۱۳۶، ۱۳۵
- ” ۱۴۸۔ ہے ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے - ۱۳۶
- ” ۱۴۹۔ کیا ذکر آس کے آگے مری آہ کا چلے - ۱۳۸، ۱۳۷
- ” ۱۵۰۔ ظالم کبھی تو دادِ دل و چشم تر ملے - ۱۳۹، ۱۳۸
- ” ۱۵۱۔ ابر درِ روزہ گر آب ہے اکثر ہم سے - ۱۴۰، ۱۳۹
- ” ۱۵۲۔ دل لیا جس نے بے وفائی کی - - - ۱۴۱، ۱۴۰
- ” ۱۵۳۔ اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے - - - ۱۴۲، ۱۴۱
- ” ۱۵۴۔ ناز کی کیا ہوئی کیوں غش نہیں کیا صورت ہے ۱۴۳، ۱۴۲
- ” ۱۵۵۔ آؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی - - - - ۱۴۳
- ” ۱۵۶۔ زہر ہے الہاس سے تلوار سے - - - - ۱۴۳
- ” ۱۵۷۔ لطفِ ظاہر ہے مرے آزار سے - - - - ۱۴۵
- ” ۱۵۸۔ ترک ہونا یار اور اغیار سے - - - - ۱۴۶
- ” ۱۵۹۔ کچھ بات راز کی ہے ذرا پاس آئیے - - ۱۴۸، ۱۴۷
- ” ۱۶۰۔ لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہے ۱۴۹، ۱۴۸
- ” ۱۶۱۔ ہوا نہ مدِ نظر چشمِ ہار کے بدلے - - - ۱۴۹
- ” ۱۶۲۔ میری خوشی کا ان کو نہایت خیال ہے ۱۵۰، ۱۴۹
- ” ۱۶۳۔ ایامِ ہجر میں جو اجل کا خیال ہے - ۱۵۰ تا ۱۵۲
- ” ۱۶۴۔ تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے - - - ۱۵۳، ۱۵۲
- ” ۱۶۵۔ فقط یارِ جور و جفا جانتا ہے - - - ۱۵۴، ۱۵۳

صفحہ

مصرع

- غزل نمبر ۱۶۶ - سجدہ لے اور کوئی دن رقیبِ غوار مجھے ۱۵۵، ۱۵۴
 ” ۱۶۷ - ابھی کہوں تو کہیں لوگ شرم سار مجھے ۱۵۶، ۱۵۵
 ” ۱۶۸ - سحر کئے جو وہ گل گشت گلستان کے لیے ۱۵۸ تا ۱۵۶
 ” ۱۶۹ - جر کوئے دوست کو جاؤں تو ہاسباں کے لیے ۱۵۹، ۱۵۸

فردیات

ہروائے وار چلنا دستور ہے ہمارا - - - ۱۶۰، ۱۶۱

غیر مطبوعہ کلام—غزلیات

- ۱- روز کر جاتے تو کیا کچھ نہ دکھاتے دیکھا - - - ۱۶۲
 ۲- دن کو دکھلاتے ہیں حسنِ آتشِ افشاں کی ہار ۱۶۳، ۱۶۲
 ۳- گر کیجئے اس پری کی لیاں داستانِ رقص - - - ۱۶۳
 ۴- اپنی تیغ نگہ کی آب کو دیکھ - - - ۱۶۳، ۱۶۴
 ۵- اگر طلب کرے وہ یہ عذار آئینہ - - - ۱۶۵، ۱۶۴

متفرق فردیات

معجزِ حسن سے سب جن و بشر ہیں تسخیر - - - ۱۶۶ تا ۱۶۹

رباعیات

- ۱- مانا کہ بس اب سرا ستانا چھوڑا - - - ۱۷۰
 ۲- میں جام نہیں کہ منہ لگائے مجھ کو - - - ۱۷۰
 ۳- المومس نہ مجھ پہ رحم آیا تم کو - - - ۱۷۰
 ۴- جھوٹا ہے ترا قرار، چھوڑا تجھ کو - - - ۱۷۰

صفحہ

مصرع

- ۵۔ یگانہ جوئے سب اتریا تیرے لیے - - - - - ۱۷۱
 ۶۔ ہم مرا گئے تیری چاہ کرتے کرتے - - - - - ۱۷۱

مثنیٰ

- مثال ہیں اہل بزم بھی آزار کی طرف - - - - - ۱۷۲، ۱۷۱

مخمس

- ناصر کو حرف تلخ سنایا نہیں هنوز - - - - - ۱۷۳ تا ۱۷۵

تضمین

- آرام کا کچھ دھیان نہ کچھ فکر طرب ہے - - - - - ۱۷۶، ۱۷۵

مثنویات

- ۱۔ ساقیا بس مے دو آتشہ لا - - - - - ۱۷۸، ۱۷۷
 ۲۔ اے ساقی محفل نکویاں - - - - - ۱۷۸ تا ۱۸۳
 ۳۔ اے سراپا جفاے نا انصاف - - - - - ۱۸۳ تا ۱۸۹
 ۴۔ اے گل بوستان ناز و ادا - - - - - ۱۸۹ تا ۱۹۳

نظم

- ہاے دہلی و زہے دل شدگان دہلی - - - - - ۱۹۳، ۱۹۵

مقدمہ

از

کلبِ علی خان فائق

حیات شہید و حسرتی

خاندان

ہنگش بٹھان سابق صوبہ سرحد علاقہ کوہاٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بعض افراد تاریخ میں نمایاں حیثیت کے مالک ہوئے۔ فرخ سیر کے عہد (۱۱۲۴ء تا ۱۱۳۰ء) میں محمد خاں ہنگش نے اقتدار بہم پہنچایا اور ریاست سرخ آباد کی بنیاد رکھی۔ ولی داد خاں اور محمد خاں ہنگش یک جہتی تھے۔ ولی داد خاں بھی فرخ آباد میں آکر مقیم ہو گئے۔ ولی داد خاں کے بیٹے مرتضیٰ خاں جرأت سے کام لے کر قدم باہر نکالا اور جسونت راؤ ہلکر کا شریک ہو کر نام پیدا کیا۔ آخر ۱۸۱۲ء میں ہلکر اور انگریزوں کے درمیان مصالحت کرا کے لارڈ لیک کو رضامند کیا۔ اس کے صلے میں تین لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر ہوڈل و ہلول (ضلع گورکھ پور) میں جین حیات حاصل کی۔ ان کا خطاب ”عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ“ تھا۔ ۱۸۱۳ء میں

۱۔ بقول مالک رام، نواب مرتضیٰ خاں کی وفات کے بعد ہوڈل و ہلول کی جاگیر انگریزوں نے ضبط کر کے بیس ہزار روپیہ سالانہ زر نقد ورتا کے لیے مقرر کر دیا تھا جو ۱۸۵۷ء میں بند ہو گیا۔ (تلامذہ غالب ص ۱۷۷-۱۷۸)

نواب مصمم الدولہ فرخ جاہ احمد علی خاں وزیر مالیات نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہوڈل و ہلول کا انتظام محض خاں کے لیے مخصوص ہوا تھا لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ (تاریخی روزنامہ عبداللطیف، مرتب خلیق احمد نظامی، ص ۱۳۸، ۱۳۹)

جہاں گیر آباد (ضلع میرٹھ) جو راجا کھودس رائے کی ملکیت تھا اور مال گزاری لہ ادا کیے جانے کے الزام میں تلام ہوا ، اپنے بیٹے محمد مصطفیٰ خاں کے نام خرید کر ریاست میں اضافہ کیا ۔

نواب مرتضیٰ خاں کی شادی مشہور سپہ سالار اسماعیل بیگ ہمدانی کی صاحب زادی اکبری بیگم سے ہوئی تھی ۔

شیفتہ کی ولادت

۱۸۰۹ء کے آخری مہینوں میں شیفتہ کی ولادت ہوئی ۔ اس سلسلے میں آن کا اپنا بیان معتبر ہے ۔ وہ اپنے دیوان کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

”در شانزدہم نیروے سخن گوئی دادند ۔ ۔ ۔ ۔ و درست و
سیوم ہال اعراض کرامت کردند ۔ ۔ ۔ و آن روز ہر
ہزار و دویصد چہل افزوں بود ۔ امروز ہر چہل ہفت
افزوں است ۔“

(دیباچہ دیوان شیفتہ ، مخطوطہ رضا لائبریری رام پور)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۵۷ھ - ۳۲ ، ۱۸۳۱ء میں آن کی عمر ۲۳ سال تھی ۔ اس لیے تذکرہ نویسوں کا بیان ۱۸۰۶ء میں ولادت کے بارے میں غیر معتبر ہے ۔ شیفتہ کی عمر ”گلشن بے خار“ کی تالیف کے وقت (۱۲۵۰ھ مطابق ۳۵ ، ۱۸۳۳ء) چھبیس سال ہو چکی تھی ۔ ملاحظہ ہو :

”ابتدائے این کارنامہ در ابتدائے سال ہزار و دویصد و
چہل و ہشت (۱۲۳۸ھ) از ہجرت و انتہا در انتہائے ہزار و
دو صد و پنجاہ (۱۲۵۰ھ) و امروز اشہب قیزگام عمر روان
بست و شش مرحلہ طے کردہ ۔“

(گلشن بے خار، صفحہ ۶، مطبع نول کشور ۱۸۷۳ء)

مقام ولادت

دہلی میں بالاتفاق شیفتہ کی ولادت ظاہر کی گئی ہے ۔

تعلیم

شیفتہ کے تمام اساتذہ کے نام معلوم نہ ہو سکے ۔ البتہ
میاں جی مالا مال (جو دہلی کے سریر آوردہ معلم تھے) سے فارسی
اور عربی پڑھی ۔

تجوید و حدیث

تجوید اور حدیث کی تعلیم مولانا حاجی محمد نور دہلوی نقشبندی
سے پائی ۔

آغاز شاعری

شیفتہ نے ۱۸۲۳ ع (۱۲۴۰ھ) میں شعر و شاعری کے میدان میں
قدم رکھا جس کا اظہار انہوں نے دیباچہ دیوانِ اردو میں کیا ہے ۔
شیفتہ کی علمی استعداد قدیم انصابِ تعلیم کے موافق اچھی خاصی
ہو چکی تھی ۔ وہ عربی ، فارسی اور اردو میں شعر موزوں کرنے کی
اہلیت رکھتے تھے ۔ پھر فطرت سے موزوں طبع اور ذہن رسالے
کر آئے تھے اسی لیے دعویٰ کیا ہے کہ شعر گوئی کی صلاحیت
بے پناہ تھی ۔ دہلی کے شرقا کے لیے شاعر ہونا بھی کمالات علمی
میں داخل تھا ۔ مفتی صدرالدین آزرہ ، مولوی فضل حق خیر آبادی
جیسے علماء شعر و سخن کے فدائی تھے ۔ شاہ نصیر ، حافظ عبدالرحمان
احسان ، سرور (مؤلف تذکرۂ سرور) ، حکیم قدرت اللہ قاسم (صاحب
مجموعۂ نغز) نظام الدین مثنوی ، محمد ابراہیم ذوق ، اسد اللہ خان غالب
اور محمد مومن خان مومن وغیرہ بزمِ ریختہ کوئی کو آراستہ کیے
ہوئے تھے ۔ بادشاہِ وقت اکبر ثانی اور ولی عہد بہادر شاہ ظفر شعرا

کی سرپرستی کر رہے تھے۔ شیفتہ ان شعرا سے کس طرح متاثر نہ ہوتے ؟
شعر و شاعری میں حصہ لیا اور مشق سخن سے کمال حاصل کیا ۔

شاگردی

۱۶۲۴ء میں نوجوان شعرا میں غالب اور مومن زیادہ نام آور
تھے ، لیکن غالب کے طرزِ بیدل پر بعض ارباب سخن معترض تھے
جن میں آرزوہ سرپرست تھے۔ اسی لیے شیفتہ مومن سے مشورۃً سخن
حاصل کرنے لگے ۔

عشق

شیفتہ نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا ، اُس میں طوائف کا
درجہ بلند تھا اور اسراء کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ اُن کے دربار سے
طوائفیں منسلک رہیں ۔ مغل بادشاہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے ۔
جہاں دارِ شاہ ہوں یا مجد شاہ ، ہر ایک عیش کوشی میں مشغول تھا۔
سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا ۔ عالم گیر ثانی ، جب کہ غیر ملکی
فوجیں برصغیر پاک و ہند میں داخلے کے لیے بے قاب تھیں ، یہ
بوڑھا بادشاہ مجد شاہ مرحوم کی پندرہ سالہ لڑکی پر (شادی رچانے کے
لیے) دیلاؤ ڈال رہا تھا ۔ اسی طرح اودھ اور دہلی کے حکم ران
بڑھاپے میں بھی نئی نئی شادیوں کے لیے بے قرار رہتے تھے ۔
بہر شیفتہ کس طرح اس فضا میں پاک دامن رہ سکتے تھے ۔ اُن کے
استاد مومن نت نئی حسینوں کو پھانسنے کی کوشش میں رات دن لگے
رہتے تھے اور شاگردوں سے بھی امداد لینے میں عار نہ سمجھتے تھے۔
شیفتہ نے دولت اور جوانی سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی ۔ تارنول کی
دو نوخیز طوائفیں رعبو اور جنگلو تھیں ۔ ان میں سے رعبو پر شیفتہ
کی نظر انتخاب پڑی ۔ ۱۸۲۸ء کے متصل شیفتہ نے رعبو کو جیت لیا۔
اس سلسلے کی مثنوی ”سی مالی“ (۱۶۲۴ء) اُن کے مخطوطہ دیوان میں

شامل ہے۔ معاصرین نے رجبو (جس کا تخلص نزاکت تھا) کا ذکر تذکروں میں کیا ہے۔ خود شیفتہ نے بھی اپنے تذکرہ شعرا ”گلشن بے خار“ میں یہ زمرہ شاعرات ان کو جگہ دی ہے۔ رجبو سے تعلقات کا سلسلہ چلتا رہا اور شاعری کا ذوق بھی، لیکن نا معلوم وجوہ کی بنا پر شیفتہ نے شعر و شاعری سے دلچسپی کم کر دی۔ اس کا اظہار اس نے اپنے قلمی دیوان کے دیباچے میں کیا ہے کہ سولہ سال کی عمر میں شاعری شروع کی اور ۲۳ سال کی عمر میں یہ ذوق دب گیا۔ لیکن اس کے ایک سال بعد احباب کی ترغیب سے اس نے تذکرہ شعراءِ اردو کی بنیاد رکھی۔ اس کا سال آغاز شیفتہ نے ۱۲۳۸ھ (۳۳ - ۱۸۳۲ع) اور سال انعام ۱۲۵۰ھ (۳۵ - ۱۸۳۴ع) بتایا ہے۔

بیہیت

شیفتہ جب مجازی عشق و محبت کی آجہنوں سے تنگ آ گئے اور بادہ گساری میں کشش نہ رہی (اس کے اسباب معلوم نہ ہو سکے) تو تصوف کی طرف راغب ہوئے اور شاہ اسحاق مہاجر مکی (۱۲۵۶ھ) کے مرید ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ دلی ارمان نکل چکے تھے اس لیے مرشد کی ادنیٰ توجہ سے کاہا ہلٹ ہو گئی۔ حرم کعبہ اور دیار حبیب کے شوق نے بے قرار کر دیا۔ راہ کی مشکلات کا خطرہ کسی طرح نہ روک سکا اور سفر حجاز کی دل میں ٹھان لی۔

سفر حجاز

شیفتہ کی والدہ اور نانی نے بھی بیت الحرام کے سفر کا ارادہ کیا۔ ۱۷۔ ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ کو دہلی سے یہ قافلہ روانہ ہوا۔ منزل بہ منزل بمبئی تک خشکی کا سفر کیا، اس کے بعد بحری سفر شروع ہوا۔ راستے میں جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ شیفتہ اور

دوسرے مسافروں نے ایک ویران جزیرے میں پناہ لی ۔
 ناقابل بیان سختیاں اٹھا کر آخر مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے ۔ حج
 سے فراغت پائی تو شیفہ کی ماں اور نانی چار دن کے فصل سے عالم
 آخرت کو سدھار گئیں اور جنت البقیع میں جگہ پائی ۔ دو مہینے ہانچ
 دن تک مکہ معظمہ میں قیام کر کے مدینہ منورہ کا سفر کیا
 اور دیار حبیبِ خدا کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ سرور کائنات نے
 اپنی مہمان نوازی سے سرفراز کیا اور شیخ الحرم کو خواب میں
 ہدایت فرمائی کہ اٹھیں اپنا مہمان کرے ۔ اس کے بعد طائف وغیرہ
 دیکھتے ہوئے مکہ معظمہ کی زیارت سے دوبارہ سرفراز ہو کر وطن
 واپس ہوئے اور ۲۳۔ ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ کو دو سال چھ دن بعد
 دہلی میں داخل ہوئے ۔

فتویٰ

وہی رتدِ شاہد باز شیفہ سفر حجاز کے بعد ہاک باز اور متقی
 بن گئے۔ کل تک جو مومن کے فتوے پر عمل کرتے تھے اور داد عیش
 دے کر یہ کہتے تھے :

شیفہ حضرت مومن کا ہے فتویٰ بس اب

حسرتِ حرمتِ صہبا و مزامیر نہ کہینچ

اب انہوں نے اپنے سابقہ رویے میں ترمیم کر کے اس طرح تبدیلی
 ضروری سمجھی :

وجد کو زمزمہ مرغِ سحر کافی ہے

شیفہ لازِ مثنیٰ و مزامیر نہ کہینچ

۱۔ دیوان شیفہ، اردو خطوطہ رضا لائبریری رام پور میں یہ مقطع اسی طرح

ہے، بعد میں شیفہ نے اس مقطع کو بدل دیا اور اب مطبوعہ نسخوں میں

تبدیل شدہ مقطع ملتا ہے ۔ (نانی)

شیفتہ کی زندگی میں جو انقلاب سفر حجاز سے پیدا ہوا تھا وہ تمام عمر رہا۔ شاہ اسحاق کے بعد ابو سعید اور احمد سعید عہدی خلفائے مولانا شاہ غلام علی سے شیفتہ استفادہ کرتے رہے۔ آخر میں شاہ عبد الغنی سے تجدید بیعت کی اور انہوں نے سلسلۂ نقشبندیہ کی سند خلافت بھی دی۔

شیفتہ کا مکان مرکز علمی

دہلی میں دو مکان ایسے تھے جہاں باہر سے آنے والوں کے لیے حاضر ہونا ضروری تھا؛ آزرہ اور شیفتہ کے مکان ہر دہلی کے ارباب علم و فن جمع رہتے تھے، اسی لیے ان کے مکان پر حاضر ہو کر دہلی کے باکمالوں سے ملاقات بہ آسانی ہو جاتی تھی۔

حج سے واپسی کے بعد شاعری کا شوق تو کم ہو گیا لیکن مشاعروں کا انعقاد شیفتہ کے یہاں جاری رہا۔ داغ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پہلی غزل شیفتہ کے مشاعرے میں پڑھی تھی جس کا مطلع یہ ہے :

شرر و برق نہیں شعلہ و سیاب نہیں
کس لیے بھر یہ ٹھہرتا دل بے تاب نہیں

نظامیؒ نے ۱۸۴۷ء میں شیفتہ کے یہاں مشاعرے میں آزرہ کا غزل طرحی پڑھنا لکھا ہے جس کا شعر یہ ہے :

یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا
یا لا کے دکھا دے دھن ایسا کمر ایسی

اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ شیفتہ نے ایک غیر مشہور شخص کو غزل لکھ کر دے دی اور جب اس نے مشاعرے میں

غزل پڑھی تو آزرده کی پریشانی قابل دید تھی۔ جو اشعار نظامی نے نقل کیے ہیں وہ شیفتہ کی محبوبہ رعبو لڑاکت تخلص کے ہیں اور ”گلشن بے خار“ (تالیف ۱۲۵۰ھ) میں موجود ہیں اس لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ طرح ۳۵ - ۱۸۳۳ع سے قبل ہوئی تھی اور اگر یہ مشاعرہ شیفتہ کے مکان پر ہوا تھا تو سفر حجاز سے پہلے کی بات ہے۔

سفر

سفر حجاز سے واپسی کے بعد شیفتہ نے متعدد سفر مختلف مقامات کے کیے۔ رقعات فارسی سے ۱۲۵۷ھ کے آخر میں سفر رام پور کا حوالہ ملتا ہے۔ غالباً مومن بھی اس سفر میں شیفتہ کے ہم سفر ہوں۔ پانی پت جا کر غوث علی شاہ سے ملاقات کی۔ رام پور کے ۱۸۵۰ع اور ۱۸۶۶ع کے سفروں کا حال غالب کے رقعات سے واضح ہوتا ہے۔ اُن کے ذوق سفر کا اندازہ سفر حجاز سے ہوتا ہے۔ جہاں گیر آباد میں آنا جانا تو بیش تر رہتا تھا۔ غالب اور سید غلام علی وحشت اور مومن بھی جا کر ان کے سپاہ رہتے۔ ۱۸۵۷ع کی تحریک آزادی کے وقت شیفتہ جہاں گیر آباد ہی میں تھے۔

۱۸۵۷ع میں شیفتہ کی گرفتاری

جہاں گیر آباد میں جب جنگ آزادی کے شعلے بھڑکے تو شیفتہ مقامی باشندوں کا ساتھ نہ دے سکے، اسی لیے مقامی ٹھاکروں نے ان کی گڑھی پر حملہ کیا۔ شیفتہ اپنے دوست عبد اللطیف خان والی خان پور کے جاں چلے گئے۔ گڑھی پر ٹھاکروں نے قبضہ کر لیا۔ جب ریاست رام پور کے سواروں کا رسالہ آدھر سے گزرا تو شیفتہ کے ریاست سے تعلقات کا لحاظ کر کے اُس نے مداخلت کی اور

ٹھا کروں کو نکال دیا اور شیفتہ کا قبضہ بحال کرایا۔ شیفتہ چون کہ
ہادر شاہ ظفر سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے اس لیے انگریزوں
نے بغاوت کے الزام میں الہیں گرفتار کر لیا اور بعد تحقیقات
سات سال قید کی سزا دی۔

نواب صدیق حسن خان کے شیفتہ سے ذاتی تعلقات تھے۔ انہوں
نے سمن علی خان صدر الصدور خلع بلند شہر سے ان کی رہائی کے
بارے میں سفارش کی، شیفتہ کو رہائی مل گئی۔ بعد میں نواب
صدیق حسن خان نے واگراشت جائداد کی سفارش کی اور نصف جائداد
بحال ہوئی۔

مستقل قیام جہاں گیر آباد

اس قید و بند سے رہائی کے بعد شیفتہ نے مستقل قیام جہاں گیر آباد
میں اختیار کیا۔

دہلی کی تباہی ایسی تھ تھی کہ کوئی دل سے بھلا دے۔
صہبائی شہید ہوئے، آزرہ قید ہوئے اور بہ ہزار دشواری جان بھی۔
مسلمانوں سے دلی خالی کرا لی گئی تھی، اس لیے شیفتہ اب آجڑی
دلی میں کس منہ سے آتے۔ غالب ۱۸۵۹ء کے آغاز میں ان کی
رہائی کی خبر سن کر مبارک باد کو جہاں گیر آباد پہنچے۔
شیفتہ نے جہاں گیر آباد میں خاموشی سے اپنی زندگی کے باقی دن
گزار دیے۔ جہاں حالی شیفتہ کے بچوں کی اتالیقی پر ماسور ہوئے تو
شیفتہ کا علمی ذوق بھی بیدار ہو گیا اور شعر و سخن سے بھی

۱۔ تلامذہ غالب، از مالک رام، صفحہ ۱۸۶۔ مؤلف بہادر شاہ ظفر اور ان کا
عہد، صفحہ ۳۸۶ نے بھی سات سال قید کی تائید کی ہے۔

۲۔ تلامذہ غالب، از مالک رام، صفحہ ۱۸۶۔ نیز ملاحظہ ہو، کلیات
شیفتہ و حسرتی حاشیہ ۱، صفحہ ۳۳، ۳۴۔ لیکن عرشی صاحب نے
”مکاتیب غالب“ طبع ششم، حواشی صفحہ ۱۵۸ پر مدت قید چھ سال
لکھی ہے۔ (لائق)

دلچسپی پیدا ہوئی۔ جو فارسی غزلیں کہتے، غالب کو اصلاح کے لیے بھیج دیتے، بقیہ اوقات یاد الہی میں گزارتے؛ رات کو تہجد ادا کرتے، احباب کے خطوط کا جواب پابندی سے دیتے۔

وفات ۱۸۶۹ء - (۱۲۸۶ھ)

شیفہ کو ذیابیطس کا مرض تھا۔ آخر عمر میں ہاتھ پر کالا دانہ نکلا، یہ مرض جان لیوا ثابت ہوا۔ شیفہ بیماری کے دنوں میں دہلی میں اپنی حویلی (کوچہ چیلان) میں مقیم تھے۔ یہیں انتقال ہوا اور سلطان جی (مزار نظام الدین اولیاء) میں اپنی خاندانی ہڑواڑ میں دفن ہوئے۔ مولانا حالی نے آپہ کریمہ ”وَحُلُوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ“ (سورۃ دھر) سے تاریخ وفات نکالی۔ مختلف شعراء نے قطعات تاریخی کہے جن میں سے چند یہ ہیں :

تاریخ وفات نواب مصطفیٰ خان شیفہ شاعر بے عدیل دہلی :

شیفہ شاعر مستی ناگہ

جان بہ جان آفریں سپرد افسوس

بہر تاریخ از فلک جوہا

گفت ہائف ”بلغُ سُرد“ افسوس

(صفحہ ۶۶، ۶۷، سرود غیبی مسمیٰ بہ خیابان التواریخ از جوہا)

جو رفت از جہاں مصطفیٰ خان اسیر

کہ بود اصل پاکیزہ و پاک طبع

خداوند تقویٰ، خداوند زہد

فقیر آشنا، سالکِ راہِ شرع

شد از قوت آن بے سروہا تمام
وفا و کرم ، بذل و تقویٰ ، ورع

$$۸۰ + ۲۰۰ + ۷۰۰ + ۱۰۶ + ۲۰۰ = ۱۲۸۶$$

(از خواجہ کرامت علی ہانی پتی ، حاشیہ صفحہ ۵۸
کلیات شیفہ و حسرت)

شادی اور اولاد

بقول مالک رام^۱ شیفہ نے دو نکاح کیے تھے - پہلی بیوی سے
محمد علی خان متخلص بہ رشکی پیدا ہوئے اور دوسری بیوی افضل بیگم
سے دو لڑکے نقش بند خاں اور محمد اسحاق خاں ہوئے۔ نقش بند خاں
کی تعلیم کے لیے مولانا حالی مقرر ہوئے تھے۔ (وفات ۵ نومبر ۱۸۷۷ء
عمر پچیس سال)۔

نواب محمد علی خاں اسپرل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر تھے -
آخر میں ریاست رام پور کے ریونیو ممبر رہے - ۱۸۸۹ء میں انتقال ہوا -
نواب حاجی محمد اسحاق خاں صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ ججی کے
عہدے پر ممتاز رہ کر ریاست رام پور میں مدار السہام ہوئے - اس کے
بعد ایم - اے - او کالج علی گڑھ میں آلبرٹی سکریٹری کی خدمات
الجام دے کر ۱۹۱۸ء^۲ میں انتقال کیا -

تصانیف

۱- شیفہ کی پہلی تالیف تذکرہ گلشن بے خار (۱۲۳۸ھ تا ۱۲۵۰ھ)
ہے - یہ اردو شعرا کا تذکرہ اپنی خوبیوں کے لحاظ سے تمام
ارباب نظر سے خراج تحسین حاصل کرتا رہا ہے - البتہ محترم
ڈاکٹر عندلیب شادانی کو شیفہ کی نقادی سے انکار ہے - محترم

۱- تلامذہ غالب ، ص ۱۸۵ - کلیات شیفہ و حسرت، ص ۳-۴، ۳۷۱ -

۲- محمد کبیر خان رسا جالندھری نے ان کی وفات پر ۲۲ ہند کا مرثیہ
لکھا تھا (غیر مطبوعہ مرثیہ دیوان رسا)

سید عابد علی صاحب عابد مدیر صحیفہ (ملاحظہ ہو شمارہ اپریل ۱۹۶۳ء، تنقیدی مقالے پر مختصر تبصرہ) نے حال ہی میں شیفہ کی تنقیدی صلاحیت کا احساس دلایا ہے۔

۲۔ دیوان آردو شیفہ ۳۲، ۱۸۳۱ء میں مرتب ہو چکا تھا۔ اس میں ۱۲۸ غزلیں تھیں اور چند مثنویاں۔ بعد میں ۱۸۵۵ء میں ۶۶ غزلیں مزید شامل کر کے شیفہ نے یہ دیوان مطبع آئینہ سکندری میرٹھ میں چھپوایا۔ (پانچ غزلیں غیر مطبوعہ اس دیوان میں شامل نہیں کیں)

۳۔ سفر نامہ حجاز (فارسی) جس کا نام ”ترغیب السالک الی احسن السالک مسنی بہ رہ آورد“ ہے، اس کی طباعت ۱۲۸۳ھ میں مطبع مصطفائی دہلی میں ہوئی تھی۔ ۱۲۵ ورق جس میں ”رہ آورد“ نام تبدیل کیا تھا، مطبع مرتضائی دہلی میں چھپے تھے۔ (اس کا آردو ترجمہ ۱۹۱۰ء میں ”سراج منیر“ کے نام سے سید زین العابدین نے شائع کیا تھا)

۴۔ دیوان فارسی اور رقعات فارسی (جو کلیات شیفہ و حسرتی مطبع نظامی پریس ہدایوں ۱۹۱۶ء میں شامل ہیں)۔

۵۔ مالک رام نے بہ حوالہ گارہین دقاسی ابن جسوزی کے مولد محدث کا لکھنؤ سے آردو ترجمہ شائع ہونے کا ذکر کیا۔ چونکہ اس کا ذکر کسی تذکرہ نویس نے نہیں کیا ہے اس لیے گارہین دقاسی کا یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں۔

شخصیت

مومن خاں نے ”گلشن بے خار“ کی تقریظ میں شیفہ کی سخن گوئی کی ذات ان الفاظ میں دی ہے : ”سخن سنجان را لبود کہ شیفہ معنی سواذ داد سخن شناسی دادہ و سخن شناسان را سرودہ کہ

۱۔ نقوش، آپ بیتی نمبر ۱۹۶۳ء، صفحہ ۱۶۶۳، از پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی۔

داور دادگر نصفت سرشت افتاده - - -

نہ دیدم چنین شاعر لکته سنج

کہ ویزد ز کلکش گہر گنج گنج

بہ دقت اگر موشگافی کند

ز موے میاں شعر باقی کند

قلم راں بہ ملک سخن گستری

ز آوازہ دارد جہاں داوری

بہ نسبت ہم زبانیش می نازم و بہ دولت قدر دالیش از سرمایہ

از مخاطب بے نیاز۔“

(گلشن بے خار، صفحات ۲۳۸ تا ۲۵۳، مطبع نول کشور

۱۸۷۳ع)

مفتی صدر الدین خاں آزرده تقریظ ”تذکرۃ گلشن بے خار“

(صفحات ۲۵۲ تا ۲۵۶) میں لکھتے ہیں :

”شیفتہ - لالی منشور سخن طرازاں را از نظم او پایہ بلند

است و ریاحین منشور لکته پردازاں را از فراہمی او سایہ

ارجمند - - - - - ریختہ کہ از قلم سلاست رقص ریختہ

آبروے چشمہ سلسبیل بر خاک ریختہ - - - دیوان اعجاز

توامانش محیط گوہر خیز معانی و خاطر از تصور خیالات

الوائش لوحہ برقش و نگار نقوش آہانی - - -“

اسی طرح علوی اور صہبائی اور غالب نے شیفتہ کے تذکرے

کے تحت اس کی سخن گوئی اور سخن بھمی کی داد دی ہے۔

حالی ”یادگار غالب“ میں ان کی مرزا سے شاگردی کے بارے

میں لکھتے ہیں :

”نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم جو فارسی میں حسرتی

اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے، اگرچہ مرزا کے

تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ جب تک موسیٰ خاں

زندہ رہے انہیں سے مشورہ سخن کرتے رہے ، لیکن خان
موصوف کی وفات کے بعد رخصتہ اور فارسی دونوں زبانوں
میں وہ برابر مرزا کو اپنا کلام دکھاتے اور اگر ہمارا
قیاس غلط نہ ہو تو مرزا کے بعد ان کے معاصرین میں سے
کسی کی فارسی غزل ان کی غزل سے لگا نہیں کھاتی تھی
اور شعر کا جیسا صحیح مذاق ان کی طبیعت میں پیدا کیا
گیا تھا ویسا بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے ۔ لوگ
ان کے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے ۔
ان کے سکوت سے شاعر کا شعر خود اس کی نظر سے گر
جاتا تھا اور ان کی تحسین سے اس کی قدر بڑھ جاتی تھی ۔
یہی وہ شخص تھے جن کی نسبت مرزا غالب فرماتے ہیں :

غالب بہ فن گفتگو نازد بہ این ارزش کہ او

نوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خان خوش نہ کرد
نواب مدوح کی شان میں بھی مرزا کا ایک فارسی قصیدہ
ان کے دیوان میں موجود ہے جس میں فخریہ اشعار
لکھنے لکھتے کہتے ہیں :

آن ہائے نیمز پروازم کہ بال

در ہوائے مصطفیٰ خان می زلم

عرفی و خاقانیؒ فرمان پزیر

سکتہ در شیراز و سروان می زلم

ذیل کی غزل نواب مصطفیٰ خان مرحوم کے مکان پر جو

مشاعرہ ہوتا تھا ، اس میں پڑھی گئی تھی :

اے کہ راندی سخن از لکنہ سراپان عجم

چہ یہ ما منت بسجار نہی از کم شان

ہند را خوش نساوند ، سخن ور کہ بود

باد در خلوتِ شان مشک قشان از دمِ شان

مومن و نیر و صہبائی و علوی وان کہ
 حشری و اشرف و آزردہ بود اعظم شان“
 (یادگار غالب ، صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۹ ، مطبوعہ)

کرم الدین تذکرہ ”طبقات الشعراء ہند“ مطبوعہ ۱۸۳۸ ع
 (صفحہ ۳۷۰) میں تحریر کرتے ہیں :

”شیفہ تخلص نواب مصطفیٰ خان خلف الصدیق عظیم الدولہ
 سرفراز الملک نواب مرآتضیٰ خان بہادر کا ہے ۔ یہ صاحب
 بہت ذکی اور ذہین ہیں ۔ اسراے شاہ جہاں آباد سے بڑے
 امیر ہیں ، شاگرد حکیم محمد مومن خان کے ۔ اکثر اشعار
 ان کے بہت اچھے ہوتے ہیں ۔ ایک تذکرہ ”گلشن بے خار“
 انہوں نے شعراے اردو کا لکھا ہے ۔

اس سال میں یعنی ۱۸۳۷ ع میں درمیان شاہ جہاں آباد ان
 کے مکان پر مشاعرہ ہوا کرتا تھا ۔ اب چند ایام سے بسبب
 اس کے کہ وہ شاہ جہاں آباد میں نہیں ہیں ، موقوف
 ہو گیا ہے ۔“

نصرت اللہ خان قمر کی رائے ہے :

”نکتہ سنج ، زبان دان ، در نظم و نثر یکتائے زمان ۔
 فصاحت و بلاغت از طرز کلامش پیدا ، وسعت خاطر و جودت
 طبع از رختہ قلمش ہویدا ۔ عذیم المثال ، کریم الخصال ،
 دانائے رموز معانی ، بینائے غوامض لکتہ دانی ،
 تذکرۂ گلشن بے خار بہ عبارت شستہ و رقتہ و آب دار
 یادگار است ، فاما خالی از خار نیست ، چہ گلشن را خار لازم
 و آن لزوم تعصب است ، الحق کہ جز ذات حق از عیب خالی
 نیست ۔ لیکن آن بزرگ فارسی خوش گفتہ گویا کہ در سفتہ ۔
 چہ درہی جزو زمان شخصے از اسراے ہندوستان چنی

بے نظیر پر فحاشہ - خدایے تعالیٰ ذاتِ گرامیٰ اور اہلاندہ
دارد - - - - -“ (گلشن ہمیشہ چہار، صفحہ ۷۹)

صاہر نے ”گلستانِ سخن“ میں شیفہ کے متعلق لکھا ہے :

”شیفہ - - - - - نواب محمد مصطفیٰ خان - - - - - اس کے
طرز انداز کے فرہنگ میں لفظ ناز سے معنی تہاڑ
مفہوم - - - - - علوم رسمی سے کبابی آگاہ اور فنون
مداولہ میں کامل دست گاہ، اصنافِ سخن میں قدرت تمام
اور فنونِ شنی میں مہارت تام۔ کمالِ مرتبہ شناسی سے ہر
سخن اپنے موقع میں اور ہر لکھنے اپنے مکان میں جلوہ گر۔
غزل میں شوخیِ جوانی کا اظہار اور قصیدے میں سالت
پہری کا روز بازار، معنی وحدتِ الفاظِ رباعی سے آشنا۔
ہنگامہ کثرتِ مثنوی سے جلوہ نما۔ اگر اس کلام کو
اعجاز کہیے، لبِ دلبران کی خجالت کا خوف رہ زنیِ تقریر
ہے۔“ (گلستانِ سخن، ص ۳۱۲، ۳۱۳ طبع اول دہلی)

مؤلف تذکرہ شمیمِ سخن (ص ۷۴) صفا ہدایونی لکھتے ہیں :

”شیفہ - شاگردِ مومن دہلوی - آردو فارسی دونوں زبانوں
میں خوب شعر کہتے تھے - ۸۶-۸۷ میں انتقال کیا - - -
سال وفات کا مادہ ”ماتم شیفہ“ یادگار مشتاق ہے۔“

نساخ صاحب ”سخن شعرا“ (صفحہ ۲۶۷) شیفہ سے شناسا تھے۔

ان کا حال لکھتے ہیں :

”شیفہ - شاگردِ رشید مومن خان - اوصافِ حمیدہ ان کے
بیان ہو نہیں سکتے - ہر دو زبان فارسی اور آردو میں اشعار
ان کے نہایت شیریں و نمکین ہوتے ہیں - دہلی میں رہنے کے
ہنگام میں راقم کو ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا تھا۔
تذکرہ ”گلشنِ بے خار“ و ”رہ آرد“ حسرتی و دیوان

آردو ان کا نظر سے گزرا۔ فارسی میں حصر قی تخلص کرتے ہیں اور صاحب دیوان ہیں۔ ۱۲۸۶ ہجری میں انتقال کیا۔“

صاحب ”بزم سخن“ (صفحہ ۷۱، ۷۲) کا بیان ہے :

”شیفتہ در ریختہ بہ مومن خاں دہلوی تلمذ داشت و در پارسی از مرزا نوشہ بہ استفادہ پرداخت۔ گفتار دل نشینش روح فصاحت است و جان بلاغت و سخن شیرینش بیخ لطافت است و اصل سلاست۔ در ۱۲۸۶ ہجری کوس رحلت نواخت و تذکرہ و دیوانے یادگار گذاشت۔“

مؤلف تذکرۂ طور کلیم (صفحہ ۶۰، ۶۱) کہتے ہیں :

”وے در ریختہ شیفتہ تخلص می کند و در پارسی حصر قی و از تلامذہ حکیم مومن خاں کہے ہم جہ او برخواست۔ میرزا نوشہ و حضرت آزرده باوے سودنے کہ درمیان بود نسوان گفت۔ در آن عہد کہ پدر بزرگوارم بہ دہلی رفتند و از حضرت آزرده آکتاب علم می کردند، با جناب شیفتہ ربط خاصی داشتند۔“

سر سید احمد خاں ”آثار الصنادید“ باب چہارم صفحہ ۱۹۷ میں اس طرح مدح طراز ہیں :

”نواب محمد مصطفیٰ خاں ریختے میں شیفتہ اور فارسی میں حصر قی تخلص کرتے ہیں۔۔۔ باوجود ناز و نعم ثروت کے مشق سخن کو اس سرائے پر پہنچایا ہے کہ قلم تردد سے آسودہ نہیں ہوتا اور فکر تلاش سے۔ بلبلی کی سجع خوانی اور قمری کی فصیح بیان انہیں کی تعلق گوئی سے مستفاد ہے۔ الحق پایہ فصاحت کا اور سرمایہ بلاغت کا خدا داد ہے۔“

صغیر بلکراسی نے مختصر حال لکھا ہے اور کلام پر تبصرے سے گریز کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

”شیفتہ شاگرد مومن خان صاحب - صاحب تذکرہ گلشن بے خار - یہ فارسی بہت کہتے تھے اور اردو بھی فرماتے تھے اور فارسی میں حسرتی تخلص بھی کرتے تھے۔ ۱۲۸۶ ہجری میں انتقال کیا۔ جن دنوں مؤلف دہلی گیا تھا، یہ دہلی میں نہ تھے۔“

(تذکرہ ”جلوۂ خضر“ حصہ اول، صفحہ ۲۲۹، بملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

محسن مؤلف ”تذکرہ سراپا سخن“ (صفحہ ۲۸۳) صرف اس قدر حال لکھتے ہیں :

”نواب حاجی محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ - فارسی میں تخلص حسرتی، خلف عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر مظفر جنگ باشندہ دہلی - صاحب دیوان اور تذکرہ ”گلشن بے خار“ شاگرد رشید مومن خان مومن۔“

”تذکرہ نادر“ مؤلفہ کلب حسین خان نادر (صفحہ ۹۴) میں بھی اتنا ہی بیان ہے۔

حالی کے ایک خط سے شیفتہ کی علمی استعداد نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو :

”غدر کے بعد جب کئی برس باقی بہت میں بے کاری کی حالت میں گزر گئے تو فکر معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا۔ حسن اتفاق سے نواب مصطفیٰ خان مرحوم رئیس دہلی و تعلق دار جہاں گیر آباد ضلع بلند شہر سے جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور

شاعری کا اعلیٰ درجے کا مذاق رکھنے تھے ، شناسائی ہو گئی اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحب کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ۔ نواب صاحب جس درجے کے فارسی اور اردو زبان کے شاعر تھے اُس کی یہ نسبت اُن کا مذاق شعری بہ مراتب بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا ۔ انہوں نے ابتدا میں اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خاں کو دکھایا تھا مگر اُن کے مرنے کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے ۔ میرے وہاں جانے سے اُن کا پرانا شعر و سخن کا شوق جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا ، تازہ ہو گیا اور اُن کی صحبت میں میرا میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا ، چمک اُٹھا ۔ اسی زمانے میں اردو اور فارسی کی اکثر غزلیں نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا ۔ اُنہیں کے ساتھ میں بھی جہاں گبر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا ، مگر در حقیقت مرزا کے مشورے اور اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا ۔ بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا ۔ ۔ ۔ ۔“

خود حالی کا قول ہے کہ شیفتہ مبالغے کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق اور واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دل فریب بنانا اسی کو منہاے کمالِ شاعری سمجھتے تھے ۔ چھپھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں متنفر تھے ۔ ۔ ۔

ان کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک

کی کیفیت تھی کہ تمام علوم رسمی اور قانون متداولہ سے آشنا تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ صحبت ان لوگوں کی ہائی تھی جن کے نام کے ساتھ کمال سخن کا ذکر ہمیشہ وابستہ رہے گا، یعنی غالب و مومن و آزاد، جن میں سے ہر ایک یادگار زمانہ تھا۔

اساتذہ قدیم کی یہ ایک خاص روش تھی کہ دیوان ریختہ کے ساتھ دیوان فارسی اور بعض صورتوں میں تذکرہ شعراء بھی ضرور لکھتے تھے؛ گویا ان کے نزدیک حصول پایۂ استادی کا بھی ثبوت ہوتا تھا۔

میر و مرزا سے لے کر غالب و مومن تک اکثر شعرا نے اس خصوصیت کو ملحوظ خاطر رکھا اور شیفتہ نے بھی اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ چنانچہ آزاد دیوان کے علاوہ ان کا فارسی دیوان اور تذکرہ شعراء (گلشن بے خار) بھی مقبول اہل نظر ہے۔ فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے اور ایک انداز خاص کے مالک تھے۔۔۔۔۔“

(آردوئے معلیٰ (علی گڑھ) اکتوبر ۱۹۰۳ء، صفحات ۱ تا ۸)

مولانا محمد حسین آزاد نے ان کا ذکر بہ سلسلہ شاگردان مومن کیا ہے اور انشا کے ذکر میں ان کے تذکرے پر تنقید کی ہے۔ قطب الدین باطن نے ”گستان بے خزاں“ صرف اس وجہ سے لکھ ڈالا کہ ان کے محبوب شاعر نظیر اکبر آبادی کو بازاری شاعر کہا گیا تھا۔ مؤلف گل رعنا حسرت موہانی اور مالک رام وغیرہ نے ان کی حیثیت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ بعد کے پیش تر تذکرہ نگاروں نے حالی اور حسرت وغیرہ کی رائیں نقل کر کے حالات یا تنقید کلام میں اضافہ نہیں کیا ہے، اس لیے ان کو نقل نہیں کیا گیا؛ صرف

مؤلف ”دلی کا دبستان شاعری“ کا بیان نقل کیا جاتا ہے جس کے بعض فقرے قابل غور ہیں :

”بہد مصطفیٰ خان شیفتہ شعر گوئی اور سخن فہمی کا پڑا
اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ گرمی اور لذت کے علاوہ جو
ان کے کلام میں خدا داد ہے ، اس میں شکوہ الفاظ اور
چستی تراکیب بھی پائی جاتی ہے جو کسی وقت سودا اور
شاہ نصیر کا حصہ تھی۔ کلام میں بندش الفاظ اور ترکیب
کی روش اور رعایت اسی طرح کی ہے جو غالب اور خاص کر
سومن میں پائی جاتی ہے۔ مثال اور مستحیدگی ان کے یہاں
کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ کسی موقع پر تہذیب کے
پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے۔“

(”دلی کا دبستان شاعری“ از ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی
صفحہ ۲۵۶ تا ۲۶۰)

دیباچہ: دیوان

از شیفته

۱۲۲۷ھ

اے فیض تو بکشودہ زبانِ ها به بیانِ ها
حمد تو فروسته بیانِ ها به زبانِ ها

اما بعد شیفته آشفته روش ، آن خفته رازِ ها را کہ با دل دریاں
ند توان نہاد ، بہ فرمانِ جنوں با زبانِ گفت و زبانِ تنگ حوصلہ از
شادی بچنید و دلِ ها بچناید - قصۂ خلوتِ مریم و جبریل بہ بازار
رفت و سخن لبِ ہائے عیسیٰ بر زبانِ آمد - قومے تسلیم کردند
و گروہ الکلا - جمعے را رشک پریشانِ ساعت و طائفۂ را شوق
بے آرام - رد و قبول را ہنگامہ گرم شد و سہر و کین را ہنگام رسید -
لیک اندیشی من از حد گذشت کہ مرا بر دو دل بسوخت ، و جبین
از غمے خجالت تر آمد کہ با ہکے لہکی نرفت ، با چشمے از شرم فرو شدہ
و رنگے از حیا بر رخ شکستہ ، تلافی خواہ شدم و بے قرار تر گشتم
کہ رضائے خاطر دشمنی کیشاں در خموشی بود و کشادۂ عقدۂ دل
دوستی اندیشاں وابستہ بر تکلم ، و پیداست کہ بر جمیع افتداد
چہرہ دستی کراست - لا جرم نظر بہ "ما لا یدرک کلہ لا یتربک کلہ"
صلاح کارِ دران دیدم کہ نخستین گفتارِ ها را کہ حکمت آن از صفای ضائر و
محور آن از صحائفِ قلوب کارِ بست کہ جادوانِ بابل را دل خون کند بر
جائے خود دارم و آئندہ از رازِ کوئی با زبانِ نا محرم بہ پرهیزم کہ
فی الجملہ ہر دو را عذر خواستہ باشم و با ہر یکے آشتی کردہ، امّا ترسم

که دگر حدیثی را زبان از دل بزدرد ، و کم ظرفی قدیم از نو بکار
برد - هر چند نمایان پاس ها داشته آید ، ولی به فرمان احتیاط هم
امروز گویم که فردا از ناکشین عهد نه شایندم که آن را نیز
دری گرامی نامه چای خواهد بود گو دل اعدا از غصه خون شود ،
چند ستم با حبیبان رود - رباعی :

کردم صد گوله جور با اهلِ وداد
وین طرفه که چهرِ پاس از بابِ عناد
افغان از فکرِ بد سگالم افغان
فریاد ز لسی سزستم فریاد

بنا برین قرار داد فراهم آوردن پراکنده سخن ها ضرورت
افتاد - از بسیار کم باقم و خرسند شدم و آن کم مقدار را بیش قدر دیدم
و محزون گشتم سخن از رغبتِ دل دراز آید ، کبر و انکسار بر طرف ،
دیوان مختصر را دیباچه مختصر باید - اکنون هم اگر از بے صرفه
خرامی و بے پاک روی دم گرفته آید ، نا شناسان را مجال دور باش نیست
تا از شناسندگان چه بیم و بحقیقت بیم هم از ایشان است ، ناچار یک دو
سخن ناگزیر گزارده ورقِ دفتر می نوردم - که در سال
شانزدهم نیروی سخن گوئی دادند ، شیوا بیانی بر تر از عادت
بخشیدند و در بست و سیوم بال اعراض کرامت کردند و یک باره دل
ازین شغل پر گرفتند ، و هر دو بار گران بار منت نهادند و آن روز بر
هزار و دو صد چهل افزون بود و امروز بر چهل هفت افزون است ، بکمی
از قدر شناسان منت را سعادت ازلی در اضطراب افکند - تا لحنی
بار از دوش انداخت سال نظم و ترتیب از اعداد حروف "نظم عالم
پسند" بر آورد و خود را میانِ عالم به پسندیدگی و خجستگی
نامور ساخت -

کلیات شیفتہ

مرتبہ

کلبِ علی خاں فائق



ردیف الف

۱

خواہاں ہوں بروے باغِ تنزہ شمع کا
یا رب ادھر بھی بھیج دے جھوٹکا نسیم کا
تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا، کہ ذوق
مے کسے شکستہ میں جامِ دو لیم کا
بیرنگِ جلوہ، بارتقہ ہوش سوز مے
کیا امتیاز رنگ سے کیجے شمع کا
تیری نسیمِ لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا
واجب کی حکمت آنے کی ممکن کی عقل میں؟
کتنا دماغ مے خلل آگیاں حکیم کا
دقت سے چلے عجزِ سلامت کی راہ مے
کیسا سہاس دار ہوں عقلِ سلیم کا
میری فدا مے مشعلِ محفلِ بقا
پروانہ ہوں میں پروانِ شمعِ قدیم کا
گر تیرے شوق میں ہیں جی بے قراریاں
لے لوں گا ہوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا

طاقت اگر نہیں تو نہ ہو پاس کس لیے
 وابستہ سبب ہے کرم کب کرم کا
 جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
 نواۓ جنتاں ہو زبانہ جحیم کا
 اے شیفۃ عذابِ جہنم سے کیا مجھے
 میں آتی ہوں نار و جہاں کے قسم کا

۲

یہ فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا
 آخر غلام ہوں میں تمہارا قدیم کا
 یہاں ترکِ جاہ لیا پیرِ دیر نے
 یہاں دے کے بادۂ عنبر شمیم کا
 کیا ڈھونڈھتی ہے قوم، کہ آنکھوں میں قوم کی
 خلدِ بریں ہے طبتۃ اسفلِ جحیم کا
 اُس شوخ کچ ادا سے نہ آئی موافقت
 کیوں کر گلہ نہ ہو مجھے طبعِ سلیم کا
 شکوے یہ اب جو ہونے ہیں باعم، لئے نہیں
 اندازِ ہم میں، اُن میں ہیں ہے قدیم کا
 اُس وقت ہم گئے گئے احبابِ خاص میں
 آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عیم کا
 بد مستیاں کبھی، کبھی مستوری و عفاف
 دستور ہے طبیعتِ ناسمجیم کا
 اُس رشکِ گل کو بسترِ گل سے ہے احتراز
 محسوس ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا

اے جانِ بے قرار ذرا صبر چاہیے
بے شک ادھر بھی آئے گا جھونکا لسم کا

جس کی سرشت صاف نہ ہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیورِ رجیم کا
اب جستجو ہے آن کو ہماری تو کیا حصول
باقی نہیں اثر بھی عظامِ رسم کا

عاشق بھی ہم ہونے تو عجب شخص کے ہونے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا !
ہم نے کیے قواعد وحشت جو منضبط
داخل جنوں میں ہم کو لب ہے حکیم کا

ہے کارنامہ جب سے بیاض انہی شیفہ
تقریرِ سالِ رفتہ ہے دیوانِ کلیم کا

جب سے عطا ہوا ہمیں خلعتِ حیات کا
کچھ اور رنگ ہوا کائنات کا

شیشہ آٹار، شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا
لڑتے ہو جب رقیب سے کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق بیان نہیں کوئی اس الحفات کا

گر قبر سے تشدد کام کو دے خضر مرتے دم
پانی ہو خشک چشمہ آبِ حیات کا
یاں خسار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالمِ شہود ہے آپند ذات کا

کہتے ہیں جان ، جانتے ہیں بے وفا مجھے
کیا اعتبار ہے انہیں دشمن کی بات کا

واعظ جنوں زدوں سے نہیں باز ہوس
بس آپ فکر کیجیے اپنی محبت کا

جوشِ سرشکِ خوں کے سبب سے دمِ رقم
نامہ نہیں رہا یہ ورق ہے برات کا

اے مرگ آ، کہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہے آس ۔ سوگِ عدو کی وفات کا
ایسے کے آگے شیفٹہ کیا چل سکے جہاں
احسان ایک عمر رہے ، ایک رات کا

کیا لالہ نصیحتِ ناسود سبند کا
کیا خوب ہند گو بھی ہے محتاج ہند کا

جب میں نہیں پسند تو پھر اور آچکے
عاشق ہوں اس کی خاطرِ مشکل پسند کا

اے بادِ صبح تا بہ کجا ہتزازِ گل
گوشہ آلت دے یار کے منہ سے پرند کا

آس ماہِ وش کو غیرِ سیہ رو سے کام کیا
ہے فیض اپنے اخترِ بختِ نژد کا

آس کوچے میں ہے عزتِ خسرو کدا سے کم
کیوں ناز مستمند سے ارجمند کا

لالہ تو ناروا نہیں کیوں کر گلہ کروں
میں شکوہ منج ہوں ترے کاغذِ بلند کا

دیوان کو ہارے ، بتوں کی نگاہ میں
اے شیفتہ وہ رتبہ ہے جو بید و ژلد کا

۵

کچھ انتظار مجھ کو نہ مے کا نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا
لکٹی نہیں ہلک سے ہلک جو تمام شب
مے ایک شعبدہ مرّۂ نیم باز کا
دشمن بنے صبح جگاتے ہیں ہمار کو
یہ وقت ہے نسیمِ سحر احتراز کا
ایمن ہیں اہلِ جذبہ کہ رہبر ہے اُن کے ساتھ
سالک کو ہے خیالِ نشیب و فراز کا
بھسنے کے بعد ابھی ہے وہی دل شکستگی !
کیا خوب جال ہے لکھ جانا نواز کا
تقویٰ مرا شعار ہے عصمتِ سرشتِ دوست
پھر مجھ سے کون سا ہے سببِ احتراز کا
بارے عجیب بات تو بھیلی جہان میں
پایا کسی نے گوئیِ رازِ افشاے راز کا
ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف ، کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہ ہو استیاز کا
پیرِ مغان نے رات کو وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان ابھی حسنِ عجاز کا
دبشا ہے داغِ رشک پر بلند سپر کو
جلوہِ تمہاری معجزِ گوہر طراز کا

بانی وضو کو لاؤ رخِ شمعِ زرد ہے
میںا اٹھاؤ وقت اب آہا نماز کا

یکتنا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہاں میں
طولِ املِ جواب ہے زلفِ دراز کا
چورِ اجل کو شوخی' بے جا کہا کیا
تھا عو شیفۃ جو کسی مستِ ناز کا

نہ اس زمانے میں چرچا ہے دانش و دیں کا
نہ شوقِ شعرِ ترو پدلیہ ہائے رنگیں کا
شمعِ زلفِ پی ہے تو وحشتِ دل نے
کب انتظار کیا موسمِ وہاں میں کا
ہذاتِ نعر نے کس واسطے بٹھا رکھیں
نہیں ستارہ گہرِ خالِ دانیِ بھروں کا
ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو سمجھے تھے
کہ مشتری نہیں اس کوہرِ نو آہیں کا
نما نما ہے نہایتِ خلافِ شیوۂ عشق
غلط ہے شوقِ ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا
وہ طرفہ حال کہ جس سے جہادِ رقص کرے
نہ رنگ بھی متغیرِ دو اہلِ تمکین کا
ہزار مرتبہ فرہادِ جانِ شیریں دے
وہی ہے حقِ تمکِ عشوہ ہائے شیریں کا
عجیب حال میں ہے شیفۃ معاف کرو
جو کچھ تصور بھی ہو اس غلامِ دہریں کا

ہائے آسِ برقِ جہاں سوزِ پر آنا دل کا
 سمجھے جو گرمیِ ہنگامہ جلانا دل کا
 ہے ترا سلسلہ زلف بھی کتنا دل بند
 پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا
 دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیوں کر
 نہ سنا تم نے کبھی ہائے فسانہ دل کا
 ہم سے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہے عمر
 کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا
 عاقبت جامِ ذوق میں خبرِ آس کی ہائی !
 مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا
 کس طرح دردِ محبت میں جھاؤں آس کو
 بہت لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں دانا دل کا
 ہم یہ سمجھتے تھے کہ آرام سے تم رکھو گے
 لالچے تم کو ہے منظور سنانا دل کا
 ہم بھی کیا سادے ہیں کیا کیا ہے توقع آس سے
 آج تک جس نے ذرا حال نہ جانا دل کا
 جلوہ گاہِ غم و شادی ، دل و شادی کم یاب
 کیوں نہ ہو شکوہ سرا ایک زمانا دل کا
 شکلِ سالندِ بڑی اور یہ انسونِ وفا
 آدمی کا نہیں مذکور پھانا دل کا
 شیفتہ ضبط کرو ایسی ہے کہا بے تاب
 جو کوئی ہو تمہیں احوال سنانا دل کا

ہم پر ہے التفات ہمارے حبیب کا
کیرا مگر نہیں ہے نفس عندلیب کا

اب وہ ہے جلوہ ریز لباسِ سہاس میں
جو عہدِ کودکی میں گلہ تھا ادیب کا
اچھا جو آں کو سونکھے تو آجائے آں کو غش
اچھا اثر ہے زلفِ معنبر کی طیب کا

تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا چلے
کوچے سے تیرے پاؤں نہ آہیے ، غریب کا

مصروف ہے بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طیب کا

تسلیم سے وفاق ، رضا سے ہے اتفاق
نے چرخ کا گلہ ، نہ گلہ ہے نصیب کا

ہم پاؤں بھولک بھولک کے رکھتے ہیں کیا کریں
آں ہزم میں ہے دخل سراسر رقیب کا

ہو جائے کاسہ لیس شگرفانِ میکدہ
جس کو کہ اشتیاق ہے حالِ عجیب کا

سننے ہی نام دشمنِ حدِ صالحہ ہو گیا
ہوچھا جو مجھ سے نام کسی نے حبیب کا

آں رشکِ گل نے لی ہے جو بلبل تو شیفتہ
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

ہو ہوں میں جو اُس ستم گر کا
 ہے گلہ اپنے حالِ ابتر کا
 حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
 رگِ ہسل ہے تارِ مسطر کا
 آنکھ بھرنے سے تیری، مجھ کو ہوا
 گردِ شہرِ دھڑ دورِ ساغر کا
 شعلہ رو یار، شعلہ رنگِ شراب
 کام پاں کیا ہے دامنِ تر کا
 شوق کو آج بے قراری ہے
 اور وعدہ ہے روزِ عشر کا
 نقشِ تسخیرِ غیر کو اُس نے
 خون لیا تو مرے کپوتر کا
 میری لاکھی سے لٹک کو حصول ؟
 کام ہے یہ اُسی ستم گر کا
 اُس نے عاشق لکھا عدو کو لقب
 ہائے لکھا مرے مقدر کا
 آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
 شیفۃ ہے خیالِ کس گھر کا

سب حوصلہ جو صرف ہوا چورِ بار کا
 مجھ پر گامہ رہا ستمِ روزگار کا
 تھا کیا ہجومِ پھر زیارتِ ہزار کا
 کل ہو گیا چراغِ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پر اے یار دل شکن
 کچھ بھی خیال ہے دلِ اسیدوار کا
 کھلنے لگے ہیں از سر نو غنچہائے زخم
 یہ فیض ہے صبا کے دمِ مشک بار کا
 گر چاہتے ہو جامہ نہ ہو چاک ناصحوا
 منگوا دو پیرہن مجھے آس کل عذار کا
 ہر کوچہ میں کھلی ہے جو دکانِ مے فروش
 کیا فصل ہے شراب کی، موسمِ بہار کا؟
 کھجرا کے اور غیر کے چلو سے لگ گئے
 دیکھا اثر یہ لالہ بے اختیار کا
 وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے تھم گئے
 اب کیا کروں علاج دلِ بے قرار کا
 آزاد ہے عذابِ دوعالم سے شیفۃ
 جو ہے اسیر سلسلۂ تاب دار کا!

آس بزم میں ہر چیز سے کم تر نظر آیا
 وہ حسن کہ خورشید کے عہدے سے ہر آیا
 بے فائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا
 اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی کھر آیا
 کچھ دور نہیں آن سے کہ لبرج بتا دیں
 کیا فائدہ گر آنکھ سے لختِ جگر آیا
 گو کچھ نہ کہا پر ہوئے دل میں متاثر
 شکوہ جو زباں پر سری آشفته تر آیا

بے طافیؔ شوق سے میں آٹھ ہی چکا تھا
 لاکھ وہ بے تاب مری قبر پر آیا
 بے قدر ہے مفلس شجر خشک کی مانند
 بان درعم و دینار میں برگ و ثمر آیا
 حالِ دلِ صد چاک پہ کٹتا ہے کلیجا
 ہر پارہ اک الہاس کا ٹکڑا نظر آیا
 دیکھئے کہ جدائی میں ہے کیا حالؔ وہ بد ظن
 اس واسطے شب گھر میں سرے بے خبر آیا
 کیا دہر ہے اے ساقیؔ کل فام سحر ہے
 کیا عذر ہے اے زاہدِ خشک اپر تر آیا
 روداد میں ہیں شیفۃ کی مختلف اقوال
 ہوجھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

۱۲

جب رقیوں کا ستم یاد آیا
 کچھ سمجھارا بھی کرم یاد آیا
 کب میں حاجت پرہیز بڑی
 غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا
 نہ لکھا خط کہ خطِ پیشانی
 مجھ کو ہنگامِ رقم یاد آیا
 شعلۂ زخم سے اے صید فکن
 داغِ آہوے حرم یاد آیا
 ٹھہرے کیا دل کہ قری شوقی سے
 اضطرابِ بے ہم یاد آیا

خوبی بخت کہہ بیانِ عدو
 اُس کو ہنگامِ قسم یاد آیا
 کھل کئی غیر سے اُلفت اُس کی
 جامِ مے سے بچھے جم یاد آیا
 وہ مرا دل ہے کہ خود پیشوں کو
 دیکھ کر آئینہ کم یاد آیا
 کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
 کیا کوئی اور ستم یاد آیا
 ایسے خود رفتہ ہو اے شیفۂ کیوں
 کہیں اُس شوخ کا دم یاد آیا

۱۳

قبر پر وہ بتِ گلِ فام آیا
 بارے مرنا تو مرے کام آیا
 دو قدم یاں سے وہ کوچہ ہے مگر
 نامہ ہر صبح گیا، شام آیا
 مرا کئے ہر لہ گیا رنج کہ وہ
 گور ہر آنے تو آرام آیا
 خبر باد اے ہوسِ کام کہ اب
 دل میں شوقِ بتِ خود کام آیا
 شمع کی طرح آٹھے ہم بھی جب
 دشمنِ تیرہ سر انجام آیا
 جب مری آہِ فلک پر پہنچی ا
 تب وہ مفرور سرہام آیا

جلد منگواؤ شرابِ کل رنگ
شیفتہ ساقِ کل جامِ آہا

اُس سے میں شکوے کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا سرے دل میں سو زباں پر آیا
قبر سے آٹھ کے یہی دھیان مکر آیا
وہ تو آئے نہیں میں آپ میں کیوں کر آیا
وعدہ کس شخص کا اور وہ بھی نہایت کچا
ہم بھی کیا خوب ہیں سچ سچ ہمیں باور آیا
مجھ سے وہ صلح کو اس شان سے آئے گویا
جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا
جذباتِ شوق کی تاثیر اسے کہتے ہیں
سن کے قاصد کی خبر آپ وہ در پر آیا
خاک ہونے کا سرے ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اُس یزم سے کچھ غیر مکندر آیا
اڑ گئے ہوش کہ بیغامِ اجل ہے یہ جواب
کوچہ بار سے زخمی جو کیوتر آیا
دلِ صد چاک میں ہے کاکلِ مشکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو معطر آیا
اے اجل نیم ننگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہلِ ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا
اپنی محفل سے یہ آزدہ آٹھایا مجھ کو
کہ منانے کے لیے آپ سرے گھر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
آپ مرے تو میں ہر جیتے ہی بن آئے گی
شیفتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستم گر آیا

۱۵

رات واں کل کی طرح سے جسے غنڈاں دیکھا
صبح بلبل کی روشِ ہمدِ افغان دیکھا
کوئی بے جاں جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مسجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا
میں نے کیا جانیے کس ذوق سے دی جاں دمِ قتل
کہ بہت آس سے ستم گر کو ہشیاں دیکھا
نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنی گلے پر دیکھی
یوں تو سو بار ترا خنجر ہزاں دیکھا
اس طرف کو بھی لکھ تا سرِ مژگاں آئی
بارے کچھ کچھ اثرِ گریہ نہاں دیکھا
ہانی ہانی ہوئے مرقد پہ مرے آگے وہ جب
شمع کو لعش پہ پروانے کی ، گریاں دیکھا

قطعہ

غم غلط کرنے کو احباب ہمیں جانبِ باغ
لے گئے کل تو عجب رنگِ گلستاں دیکھا
ورد میں خاصیتِ اخگرِ سوزاں ہائی
نسترن میں اثرِ خارِ مہیلاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
 جس کو دشوار سمجھتے تھے سو آسان دیکھا
 کون کہتا ہے کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر
 جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شبِ ہجران دیکھا
 شیفۃ زلفِ ہری رو کا پڑا سایہ کہیں
 میں نے جب آپ کو دیکھا تو پریشان دیکھا

۱۶

جنسا و جور کا آس سے گلا کیا
 جو ہوچھے سہرائی کیا وفا کیا
 وہ بے پروا جوابِ نامہ لکھے
 خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا
 دیا کیوں ہونے آس بد خو یہ عاشق
 ہمارا دوست کوئی بھی نہ لٹا کیا
 شمعِ گل میں بوئے پیرغن ہے
 غلط ہے یہ کہ احسانِ صبا کیا
 نہ لکھنا تھا غمِ ناکامی* عشق
 جوابِ نامہ بے مدعا کیا
 ہمیں تھا آپ قصدِ عرضِ احوال
 جو وہ خود ہوچھتے ہیں ہوچھنا کیا
 تماشاے ہے جلے گہرِ خانہ غیر
 وہ کہتے ہیں کہ آہِ شعلہ زاکا کیا
 فنا عاشقانِ عینِ بقاے ہے
 دیت زلزلوں کی کیسی، خوں بہا کیا

اگر ہے ہوا لہوس تو قتل کر چک
عدو سے وعدہ شوق آزما کیا

قطعہ

کہا کل میں نے اے سرمایہ ناز
تلون سے تم کو مدعا کیا
کبھی مجھ پر عتاب ہے سبب کیوں
کبھی ہے وجہ غیروں سے ونا کیا
کبھی محفل میں وہ ہے باکیاں کیوں
کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکینِ صولت آفریں کیوں
کبھی الطافِ جرات آزما کیا
کبھی وہ طعنہ ہاے جاں گزا کیوں
کبھی یہ غمزہ ہاے جاں فزا کیا
کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا
کبھی ہے جرم یہ آزرده ہرنا
کہ کیا طاقت جو ہو چھو میں 'خطا کیا'
کبھی اس دشمنی پر بہرِ تسکین
پئے ہم جلوہ ہاے دلریا کیا
یہ سب طول اس نے سن کر ہے تکلف
جواب اک مختصر مجھ کو دیا کیا
ابھی اے شیفٹہ واقف نہیں تم
کہ ہائیں عشق میں ہوق ہیں کیا کیا

وہ پری وش عشق کے افسوں سے مائل ہو گیا
 مفت میں مشہور میں لوگوں میں عامل ہو گیا
 میں نہیں فرہاد ، وہ خسرو نہیں ، پھر کیا سبب؟
 غیر کا مائل جو وہ شیریں شائل ہو گیا
 اشک باری ہم کناری کی ہوس میں رات تھی
 قلمز گریہ کو اس کا دھیان ساحل ہو گیا
 زخم میرے خنجرِ خوں ریز تھے اغیار کو
 بے وفائی سے خجل کس وقت قاتل ہو گیا
 اہلِ وحشت کو مری شورش سے لازم ہے خطر
 میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا
 رشک خسرو بے تصرف ، نازِ شیریں بے اثر
 سینہ فرہاد مثلِ بے ستوں ، مل ہو گیا
 ہے خراشِ ناخنِ غم میں بھی کیا بالہنگی
 جو ہلالِ غم تھا ، سو ماہِ کامل ہو گیا
 عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
 حاتمِ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا
 اس کے آٹھنے ہی یہ ہلچل پڑ گئی بس بزم میں
 طورِ روزِ حشر سب کو طورِ محفل ہو گیا
 ہوش تو دیکھو کہ سن کر میری وحشت کی خبر
 چھوڑ کر دیوانہ پن کو قسِ عاقل ہو گیا
 ہاتھ اٹھایا اس نے قتلِ بے گنہ سے میرے بعد
 طالعِ اغیار سے جتلا د عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے مشابہا کفر کو
تیرے آگے نقشِ مافی ، نقشِ باطل ہو گیا

میرے مرتے دم جو رویا وہ بڑی تسخیر تھی
آبِ چشمِ یارِ آبِ چہاںِ بابل ہو گیا
ہے عدم میں بھی تلاشِ سرمہ و مشک و نمک
شیفتہ تیرے نکلے سے کسی کی گھائل ہو گیا

یار کو محرومِ محاشا کیا
مرگِ مضاجبات نے یہ کیا کیا

آب جو ہنسنے رہے شبِ بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا
عرضِ تمنا سے رہا بے قرار
شب وہ مجھے میں آئے چھوڑا کیا
سرد ہوا دل ، وہ ہے غیروں سے گرم
شعلے نے آتش مجھے لہندا کیا
مہرِ قمر کا ہے اب آن کو گمان
لوہِ فلک سیر نے یہ کیا کیا

آن کو محبت ہی میں شک پڑ گیا
ڈر سے جو شکوہ تہِ عدو کا کیا
دیکھیے اب کون ملے خاک میں
یار نے گردوں سے کچھ ایما کیا

حسرتِ آغوش ہے کیوں ہم کنار
غیر سے کب اُس نے کٹاوا کیا

چشمِ عنایت سے بھی جان بھی
لرگسِ یار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

آس جنبشِ ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا
دل گوشت ہے ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا

کچھ گلو ہی اثر کر ترے قربان خموشی
نالوں سے تو کچھ کام سرا ہو نہیں سکتا

گر غیر بھی ہو وقفِ ستم تو ہے مسلم
کچھ تم سے بجز جور و جفا ہو نہیں سکتا

کھولے گدروں دل کو تورا ناخنِ شمشیر
یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا

صفت ہو تجھے راہ میں آس کوچے کی مجھ پر
زنجار یہ اے راہ نما ہو نہیں سکتا

میں نے جو کہا ہمدردِ اغیار نہ ہو جسے
تو چیں بہ جبین ہو کے کہا ، ہو نہیں سکتا

یہ رازِ محبت ہے نہ افسانہٴ بلبلیں
محرم ہو مری بادِ صبا ، ہو نہیں سکتا

کب طالبعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے خفا ہے تو آسے یہ بھی ہے زیبا
پر شیفتہ میں آس سے خفا ہو نہیں سکتا

صبح ہوتے ہی کیا کھر مہ تاہاں میرا
 ہنچہ خور نے کہا چاک گریباں میرا
 گرم گرم آس رخِ لازک پہ نظر کی کس نے
 رشکِ گل ریز ہے کیوں دیدہ گریباں میرا
 وادیؔ بچہ کو دلی سے نہ دینا نسبت
 ہے وہ مجنوں کا بیاباں ، یہ بیاباں میرا
 دیکھ کر میری طرف ہنس کے کہا یہ دمِ قتل
 آج تو دیکھ لیا آپ نے بیاباں میرا
 نہ کھر آیا ، نہ چٹارے پہ ، نہ مراد پہ کبھی
 حیف صد حیف نہ لکلا کوئی ارماں میرا
 چارہ سازو کسوٹی رہتا ہے بجز چاک ہوئے
 آپ سو بار سیں ، ہے یہ گریباں میرا
 آس کی زلفوں کا نہ ہو دھیان تو اے شیغلہ بھر
 اس شبِ ہجر میں ہے کون نکمیاں میرا

گور میں یادِ قدرِ یار نے سونے نہ دیا
 فتنہ حشر کو رختار نے سونے نہ دیا
 واہ اے طالعِ خفتہ کہ شبِ عیش میں یہی
 دھڑ بے خوابیِ اغیار نے سونے نہ دیا
 وا رہیں صورتِ آغوش ، سحر تک آنکھیں
 شوقِ ہم خوابیِ دلدار نے سونے نہ دیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح لک وعدہ دیدار نے سونے نہ دیا

طالعِ خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجئے
ہاؤن کو بھی خلشِ خار نے سونے نہ دیا

دردِ دل سے جو کہا نیند نہ آئی ؟ تو کہا
مجھ کو کب لرگسِ بیمار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجران نے کہا قصہ گیسوے دراز
شیفتہ تو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

۲۲

آج ہی کیا آگ ہے سرگرم کیں تو کب نہ تھا
شمعِ ساں مہرِ خورے آتشیں تو کب نہ تھا

آج ہی دعویٰ ہے کیا تجھ کو بتانِ دہر سے
غیرتِ غایان و رشکِ حورِ عین تو کب نہ تھا

آج ہی ہر بات پر بے وجہ کیا رکتا ہے تو
اے ستم گر برسرِ برخاش و کین تو کب نہ تھا

آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں
مثلِ تیرِ غمزہ ظالمِ دل نشیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا شرم و شوخی کو ملایا ہے ہم
غیر سے بے باک ، مجھ سے شرمگین تو کب نہ تھا

آج ہی کیا ہے فلک پر شکوۂ فریادِ خلق
اے ستم گر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے
اے جفا جو در پئے جانِ حزین تو کب نہ تھا

آج ہی باتیں بنائی یاں کے آئے میں نہیں
 حیلہ گر کوکب نہ تھا ، عذر آفریں کوکب نہ تھا
 آج ہی آٹھ کر یہاں سے کہا عدو کے گھر گیا
 مہر و شش کوکبیں ، دن کوکبیں کوکب نہ تھا
 آج ہی ٹیکہ لگانے سے لگے کیا چار چاند
 بے تکلف ، بے تکلف مہ جیوں کوکب نہ تھا
 آج ہی کچھ سوزِ حجرات سے نہیں پروانہ وار
 شیفتہ بے تاب روئے آتشیں کوکب نہ تھا

۲۳

میں پریشاں گرد اور محفلِ نسبیں کوکب نہ تھا
 ہر کہیں کس دن نہ تھا میں ، ہر کہیں کوکب نہ تھا
 یاں سکِ حرفِ ملامت واں گراں عرضِ لہزاز
 سخت جاں میں کب نہ تھا اور لازیں کوکب نہ تھا
 ناصح و واعظ کے مطعون اے صنم ہم کب نہ تھے
 آفتِ جان و ہلائے عقل و دین کوکب نہ تھا
 انتہا کی بات ہے یاں ابتدائے عشق ہے
 ہم نہ تھے کب عجز گستر ، خشم گین کوکب نہ تھا
 جستجو میں سرمہ تسخیر کی ہم کب نہ تھے
 چشمِ افسوں ماز سے سحر آفریں کوکب نہ تھا
 تجھ کو شکِ آفت میں اپنی ہم کو وہمِ ربطِ غیر
 بد کہاں ہم کب نہ تھے اور بے یقیں کوکب نہ تھا
 نا شکبیا ، مضطرب ، وقفِ صنم ، ہم کب نہ تھے
 بے مروت ، بے وفا ، مصروفِ کین ، کوکب نہ تھا

تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اُٹھائے کب نہ تھے
اے ستم گر شیفتہ کا ہم نشیں، کو کب نہ تھا

۲۳

میں وصل میں بھی شیفتہ حسرت طلب رہا
گستاخوں میں بھی مجھے پاسِ ادب رہا
تغییر وضع کی ہے اشارہ وداع کا
یعنی جفا پہ 'خوگرِ الطاف' کب رہا
میں رشک سے چلا تو کہا ہے سبب چلا
اس پر جو رہ گیا تو کہا ہے سبب رہا
دم بھر بھی غیر پر لگے لطف کیوں ہے اب
اک عمر میں ستم کشرِ چشمِ غضب رہا
تھا شب تو آہ میں بھی اثر، جذبِ دل میں بھی
کیوں کر نہ آنے شیفتہ مجھ کو عجب رہا

۲۴

بس کہ آوازِ محبت میں ہوا کام اپنا
سوچنے میں ملک الموت سے انجام اپنا
عمر کٹتی ہے تصور میں رخ و کاکل کے
رات دن اور ہے، اے گردشِ ایام اپنا
واں یہ قدغن کہ نہ آوازِ فغان بھی پہنچے
یاں یہ شورش کہ گزارا ہو لبِ ہام اپنا
اُن سے نازک کو کہاں گرمیِ صحبت کی تاب
بس کلچا نہ بکا اے طبعِ خام اپنا

تہنر دل کے سبب سے ہے مجھے خواہش مرگ
 کون ہے جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا
 بادہ نوشی سے ہماری ، جو لہو خشک ہوا
 خونِ افسار سے لہریز ہے کیا جام اپنا
 لطف سمجھوں تو بجا ، آجور بھی سمجھوں تو درست
 تم نے بھیجا ہے مرے پاس جو ہم نام اپنا
 ذکرِ عشاق سے آئی ہے جو غیرت اس کو
 آپ عاشق ہے مگر وہ بتِ خود کام اپنا
 تاب بوسے کی کسے شیفقہ وہ دیں بھی اگر
 کر چکی کام یہاں لذتِ دشنام اپنا

۲۶

جی داغِ غمِ رشک سے جل جائے تو اچھا
 ارمانِ عذو کا بھی نکل جائے تو اچھا
 پروالہ بنا میرے جلانے کو وفادار
 محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا
 کسی چین سے نظارۂ ہر دم ہو میسر
 دل کوچہ دشمن میں چل جائے تو اچھا
 تم غیر کے قابو سے نکل آؤ تو بہتر
 حسرت یہ مرے دل کی نکل جائے تو اچھا
 سودا زدہ کہتے ہیں ، ہوا شیفقہ افسوس
 تھا دوست ہمارا بھی ، سنبھل جائے تو اچھا

پہلا جام ساقی تمہے لب کا
 کہ کچھ حظ آٹھے سیرِ مستجاب کا
 دل زار کا ساجرا کیا کہوں
 فسانہ ہے مشہور سیلاب کا
 کہاں پھر وہ نایاب ، پایا جسے
 غلط شوق ہے جنسِ نایاب کا
 نہ کیجو غل اے خوش نوایانِ صبح
 یہ ہے وقت آن کی شکر خواب کا
 محبت نہ ہرگز جستانی گئی
 رہا ذکرِ کلی اور ہر باب کا
 دمِ سرد سے لا نہ طوفانِ باد
 نہ سن ساجرا چشمِ پُر آب کا
 وہاں بے خودوں کی خبر کون لے
 جہاں شغل ہو ہادۂ لب کا
 وہاں تیرہ روزوں کی پروا کسے
 جہاں شوق ہو سیرِ مستجاب کا
 وہ تشخیصِ شخصی بھی جاتی رہی
 کنارِ آلتھے ہی جلباب کا
 میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ وہاں
 جفا میں نہیں دخل اسباب کا
 بڑے صبرِ آرام کی جان پر
 مری جانِ بے صبر و بے تاب کا

لبِ لعل کو کسر کے جنبش ہوئی !
 ہوا میں ہے کچھ رنگِ عتاب کا
 نہ کرنا خطا پر نظر شیفتہ
 کہ اغراضِ شیوہ ہے احباب کا

۲۸

تقلیدِ عدو سے ہمیں اہرام نہ ہوگا
 ہم خاص نہیں اور کرم عام نہ ہوگا
 صیاد کا دل اس سے ہکھلنا متعذر
 جو نالہ کہ آتشِ لکڑی دام نہ ہوگا
 جس سے ہے مجھے ربط وہ ہے کون ، کہاں ہے
 الزام کے دینے سے تو الزام نہ ہوگا
 بے داد وہ اور آس یہ وفا بہ کوئی مجھ سے
 مجبور ہوا ہے ، دلِ خود کام نہ ہوگا
 وہ غیر کے گھر نغمہ سرا ہوں گے مگر کب
 جب ہم سے کوئی نالہ سرا انجام نہ ہوگا
 ہم طالبِ شہرت ہیں ، ہمیں تنگ سے کیا کام
 بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
 قاصد کو کیا قتل کہوتر کو کیا ذبح
 لے جانے سرا اب کوئی پیغام ، نہ ہوگا
 جب پردہ آٹھا تب ہے عدو دوست کہاں تک
 آزارِ عدو سے مجھے آرام نہ ہوگا
 پاں جیتے ہیں امیدِ شبِ وصل پر اور واں
 ہر صبح توقع ہے کہ تا شام نہ ہوگا

قاصد ہے عبث منتظرِ وقت ، کہاں وقت
 کس وقت آئیں شغلِ مے و جام نہ ہوگا
 دشمن ہنس دشنام بھی ہے طالبِ بوسہ
 محو اثرِ لذتِ دشنام نہ ہوگا
 رخصت ہنس اب اے نالہ کہ پاں ٹھہر چکی ہے
 نالہ نہیں جو آتِ اجرام ، نہ ہوگا
 برقِ آئینہ فرصتِ گلزار ہے اس پر
 آئینہ نہ دیکھے کوئی گلِ فام ، نہ ہوگا
 اے اہلِ نظرِ ذرے میں پوشیدہ ہے خورشید
 ایضاح سے حاصلِ مجزِ اہسام نہ ہوگا
 اس ناز و تغافل میں ہے قاصد کی خرابی
 بے چارہ کبھی لائقِ انعام نہ ہوگا
 اس بزم کے چلنے میں ہو غم کیوں مژدہ
 کیا شیفتہ کچھ آبِ اکرام نہ ہوگا

۲۹

دیکھوں تو کہاں تک وہ تکتے نہیں کرتا
 آرمے سے اگر چیرے تو میں آف نہیں کرتا
 تم دیتے ہو تکلیف ، مجھے ہوق ہے راحت
 سچ جانے میں اس میں تکلف نہیں کرتا
 سب باتیں انہیں کی ہیں یہ ؟ سچ بولہو قاصد !
 کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا ؟
 سو خوف کی ہو جائے ، مگر رندِ نظر باز
 دل جلدرو گہ لاشف و شف نہیں کرتا

شوخی سے کسی طرح سے چین آس کو نہیں ہے
 آتا ہے مگر آ کے تصوف نہیں کرتا
 آس شوخِ ستم گر سے ہڑا ہے مجھے ہالا
 جو قتل کیے ہر بھی تأسف نہیں کرتا
 جو کچھ ہے انا میں وہ ٹپکتا ہے انا سے
 کچھ آپ سے میں ذکرِ تصوف نہیں کرتا
 تسکین ہو کیا وعدے سے ، معشوق ہے آخر
 ہر چند سنا ہے کہ قتل نہیں کرتا
 کیا حال تمہارا ہے میں بھی تو ہٹاؤ
 بے وجہ کوئی شیفقتہ آف آف نہیں کرتا

۳۰

اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
 دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا
 مشاطہ نے مگر عملِ سیمیا کیا
 گلِ ارک کو جو غنچہ سوسن بنا دیا
 دامن تک آس کے ہاے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ
 جس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا
 دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغِ حسن
 بردے کو آس کے جلوے نے چامن بنا دیا
 تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
 شبِ موم کر لیا سحرِ آہن بنا دیا
 پرواز ہے خموش کہ حکمِ سخن نہیں
 بلبل ہے لغمہ گر کہ نوازن بنا دیا

صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو
صحرا کو جس کے جلوے نے گلشن بنا دیا

مشاغلہ کا تصور سہی سب ہناؤ میں
اُس نے ہی کیا نگہ کو بھی ہر فن بنا دیا
اظہارِ عشق اُس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

۳۱

کیا لائقِ زکوٰۃ کوئی ہے نوا نہ تھا
انفاسِ باد میں نفسِ آشنا نہ تھا
اس قوم کی سرشت میں ہے کم محبتی !
شکوہ جو اُس سے تھا مجھے ہرگز بجا نہ تھا
تائیرِ نالہ نکند بعد الوقوع ہے !
یاں غیرِ رسم اور کوئی مدعا نہ تھا
وحشت تھی مجھ کو پہلے بھی ، پر یہ تیش نہ تھی
شورش تھی مجھ کو پہلے بھی ، پر یہ سزا نہ تھا
اُن کی نگاہِ ناز عجب لازمانہ تھی
مقدور پھر ادھر نظرِ شوق کا نہ تھا
افسوس وہ مظاہرِ کٹوتی میں بھنس گیا
جو عالمِ عقول سے نا آشنا نہ تھا
شرماتے اس قدر رہے کیوں آپ رات کو
ملت سے گولے تھے مگر میں لپکا نہ تھا
بے پردہ اُن کے آنے سے حیرت ہوئی مجھے
وصلِ عدو کی رات تھی روزِ جزا نہ تھا

نان و نمک کی تھی میں توفیق شیفٹہ
ساز و نسوا کے واسطے برگ و نسوا نہ تھا

۳۲

کل نغمہ گر جو مطربِ جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا

یہ بت کہ چائے شیب ہے ، جب تھا نقاب میں
عہدِ شباب اور بتوں کا زمانہ تھا
معلوم ہے ستائے ہو ہر اک چہانے سے
قصداً نہ آنے رات ، حنا کا چہانہ تھا

حسرت ہے اس کے کوچے کو کیوں کر نہ دیکھے
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
کیا مے کدوں میں ہے کہ مدارس میں وہ نہیں
البتہ ایک وان دل بے مدعا نہ تھا

ساقی کی بے مدد نہ بنی بات رات کو
مطرب اگرچہ کام میں اپنے ہنگامہ تھا
کچھ آج آن کی بزم میں بے ڈھب ہے بندوبست
آلودہ مے سے داسرِ بادِ صبا نہ تھا

دشمن کے فعل کی تمہیں توجیہ کیا ضرور
تم سے فقط مجھے گلہ دوستانہ تھا
کل شیفٹہ سحر کو عجب حالِ خوش میں تھے
آکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

ردیف با

۳۳

تھا غیر کا جو ریخِ جدائی تمام شب
نیند آن کو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب

شکوہ مجھے نہ ہو جو مکافاتِ حد سے ہو
وہاں صلح ایک دم ہے ، لڑائی تمام شب

یہ ڈر رہا کہ سوتے لے پائیں کہیں مجھے
وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب

سچ تو یہ ہے کہ بول گئے اکثر اہلِ شوق
بلبل نے کی جو نالہ سرائی تمام شب !

دم بھر بھی عمر کھوئی جو ذکرِ رقیب میں
کیفیتِ وصال نہ بدائی تمام شب

تھوڑا سا میرے حال پہ فرما کر التفات
کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب

وہ آہ ، تار و پود ہو جس کا ہوائے زلف
کرتی ہے عنبرِی و صبائی تمام شب

وہ صبح جلوہ ، جلوہ گرِ باغ تھا جو رات
سرخِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

انسانے سے بگاڑ ہے اُن نین ہے خواب سے
ہے فکرِ وصل و ذکرِ جدائی تمام شب

جس کی شمعِ زلف پہ میں غش ہوں شیفۂ
اُس نے شمعِ زلف 'سنگھائی' تمام شب

یوں بزمِ گلِ رخاں میں ہے اس دل کو اضطراب
جیسے جہاز میں ہو عنادل کو اضطراب

نیرنگِ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں
بمحل کو اضطراب ہے ، قاتل کو اضطراب

آ جائے ہم نشیں وہ پری وش تو کیا نہ ہو
دہوانہ وارِ ناصحِ عاقل کو اضطراب

سیاہ وارِ سارے بدن کو ہے یاں تیش
تسکین ہو سکے جو ہواکِ دل کو اضطراب

وہ ہا ادب شہید ہوئے میرا جو نام لے
قاتل ، تو پھر نہ ہو کسی بمحل کو اضطراب

ایسوس ہادرِ آہ سے گل بھی نہ جائے اور
ہوں ہو ہوا سے پردہ بمحل کو اضطراب

ہیں جان بہ لب ہوں اور خبرِ وصلِ جاں طلب
کیا کیا نہیں دہندہ و سائل کو اضطراب

لکھا ہے خط میں حالِ دلِ بے قرار کا
ہوگا ضرور شیفاءِ حاصل کو اضطراب

کیا اٹھ گیا ہے دبندۂ اغیار سے حجاب
ٹپکا پڑے ہے کیوں نگہِ بار سے حجاب

لاو نَعَم نہیں جو تمنائے وصل پر
الکار سے حجاب ہے ، اقرار سے حجاب

تقلیدِ شکل چاہئے سیرت میں بھی مجھے
 کب تک رہے مجھے ترے اطوار سے حجاب
 دشنام دیں جو ہوئے میں اِبرام ہم کریں
 طبعِ محبوب کو ہے ہر اصرار سے حجاب
 وفائی میں بھی گئی کہ یہ مستوری و صلاح
 آتا ہے مجھ کو محرمِ اسرار سے حجاب
 وہ طعنہ زن ہے زانہ گئی ہجر پر عبث
 آتا ہے مجھ کو حسرتِ دیدار سے حجاب
 جوشِ لگاؤ دیدہٴ حیران کو کیا کہوں
 ظاہر ہے روئے آئینہ رخسار سے حجاب
 روز و شبِ وجالِ مبارک ہو شیخوۃ
 چورِ فلک کو ہے ستمِ یار سے حجاب

ردیف تا

دشمن سے ہے میرے دلِ مضطر کی شکایت
 کیوں کر کہ کروں شوخیِ دلبر کی شکایت
 دیوالہٴ آفتِ ادب آموزِ خرد ہے
 سودے میں نہیں زلفِ معبر کی شکایت

تاخیر نہ کر قتلِ شہیدانِ وفا میں
 ہر ایک کو ہے تیزیٰ خنجر کی شکایت

تائیر ہو کیا ، آن لب و دندان کا ہوں پیار
 نے لعل کا شکوہ ہے نہ گوہر کی شکایت

کیوں بوالہوسوں سے دل عاشق کا گلہ ہے
 غیروں سے بھی کرتا ہے کوئی گھر کی شکایت

اب ظلم سرشتوں کی لکھ سے ہوں مقابل
 ہوتی تھی کبھی کاوشِ فشر کی شکایت

ہاں کائناتوں پہ بھی لوٹنے میں چین نہیں ہے
 واں غیر سے ہے پھولوں کے بستر کی شکایت

تعلیم بد آموز کو ہم کہتے ہیں ، یعنی
 ہے شکر وفا ، جورِ ستم گر کی شکایت

بے پردہ وہ آئیں گے تو کیسے مجھے ہوگی
 اے شہیدانِ ہنگامہ محشر کی شکایت

دریغِ ثا

۳۷

کس وفا کی مجھ سے پھر آمیدواری ہے عبث
 دل فریبی کی لگاؤٹ ، یہ تمہاری ہے عبث

دشمنی کو جو کہ احسان جانتا ہو ناز سے
 کس ستم ایجاد سے آمیدِ باری ہے عبث

غمزہ عاے دوست بعد از مرگ ابھی نظروں میں ہیں
وہمِ راحت سے عدو کو بے قراری ہے عبث

سرو میں کب پھل لگا ، تاثیر کیا ہو آء میں
چشمِ تر کی صورتِ ابر اشک باری ہے عبث

ہم نے غافل ہا کے تجھ کو اور کو دل دے دیا
اے ستم گر اب تری غفلت شعاری ہے عبث

ہجر میں چرخ و اجل نے گردہ کی یاری تو کیا
دشمنوں سے شیفقہ آمدنیواری ہے عبث

۳۸

نہ کر قاش راز گلستاں عبث
نہ ہو بلبلِ زار نالاں عبث

کفایت تھی مجھ کو تو چینِ جیہیں
کیا قتل کا اور ساں عبث

مقدم ہے ترکِ عدو کی قسم
وگر نہ یہ سب عہد و پیمان عبث

جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر
شکایاتِ خارِ مغیلاں عبث

تکبرِ گدائے خرابیات ہے
نہ اے خواجہ کھوجان و ایمان عبث

وہاں صوتِ مینا و آوازِ ساز
خوش آہنگی مرغِ شبِ خوان عبث

وہاں دس بجے دن کو ہوتی ہے صبح
سحر خیزی "عندلیبان" عبث

دہرِ خضر ہے چشمۂ زندگی
 سکندر سرِ آبِ حیوانِ عبث
 پری کا وہاں مجھ کو سایہ ہوا
 نہیں اشتیاقِ بہستانِ عبث
 طلبِ کارِ راحت ہیں نا درد مند
 اگر درد ہے فکرِ درہاںِ عبث
 یہ نازک مزاجوں کا دستور ہے
 خشونت سے اندوہِ حرماںِ عبث
 شکایت کو آس نے سنا بھی نہیں
 کھلا غیر پر رازِ پنہاںِ عبث
 مرے غم میں گیسوے مشکیں نہ کھول
 نہ ہو خلق کا دشمنِ جاںِ عبث
 محبت چٹاکا ہوں ہر طور سے
 اثر کی نظر سوے افغانِ عبث
 نہ سمجھا کسی نے مجھے کل نہ صبح
 ہوا ٹکڑے ٹکڑے گریباںِ عبث
 مجھے یوں بٹھاتے وہ کب بزم میں
 اٹھائے رقیبوں نے طولانِ عبث
 یہ اندازِ دل کش کہاں شیفقہ
 جگر کاویٰ مرغِ بہستانِ عبث

ردیف جیم

۳۹

اے شیفہ لوید شبِ غم سحر ہے آج
 ہم تابِ آفتاب ، فروغِ قمر ہے آج
 آہنگِ دل ہزار سے مطرب ہے جاں نواز
 آہِ جگر خراش کا ظاہر اندر ہے آج
 دل سے کشادہ تر نہ ہو کیوں کر فضا سے بزم
 تنگیِ حسائدِ حلقہٴ بیرونِ در ہے آج
 قالوس میں لہِ نسیم ، لہِ شیشے میں ہے پری
 ساغر میں جس چار سے سے جلوہ گر ہے آج
 دیوانوں کا دماغ بھی ہے آسمان پر
 نورِ چراغ میں جو فروغِ قمر ہے آج
 ہر سمت جلوہ گر ہیں جوانانِ لالہ رو
 گلزار جس کو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج
 سامان وہ کہ آئے نہ چشمِ خیال میں
 آ اے رقیب دیکھ کہ ہوشِ نظر ہے آج
 وہ دن گئے کہ ربطِ سروسنگ تھا ہم
 شکرانے کے سجود ہیں اور اپنا سر ہے آج
 اسبابِ عیش یہ جو مہیا ہے شیفہ
 کیا پردہ تم سے ، آنے کی آن کے خبر ہے آج

ردیف جیم فارسی

۴۰

شیفتہ ہجر میں تو نالہ شب گیر نہ کھینچ
 صبح ہونے کی نہیں خجالتِ تاثیر نہ کھینچ
 اے ستم گر رگِ جاں میں ہے مری پیوستہ
 دم نکل جائے گا سینے سے مرے تیر نہ کھینچ
 حور پر ابھی کوئی کرتا ہے عمل دنیا میں
 رنجِ بے ہودہ بس اے عاملِ تسخیر نہ کھینچ
 عشق سے کیا ہے تجھے شکل تری کہتی ہے
 حسنِ تقریر کو آہیں دمِ تقریر نہ کھینچ
 ہے یہ سامانِ صفائی کا عدو سے کیوں کر
 دستِ مشاطہ سے یوں زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ
 اے ستم پیشہ کچھ امیدِ تلافی تو رہے
 دستِ فلزاک سے مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ
 چارہ گر فکر کر اس میں ، کہ مقدر بدلے
 ورنہ ۔ ہودہ اذیت پٹے تدبیر نہ کھینچ
 کون بے جرم ہے جو شائقِ تعزیر نہیں
 شوقِ تعزیر سے تو حسرتِ تقصیر نہ کھینچ
 وجد کو زمزمہ مرغِ سحر کافی ہے
 شیفتہ فازِ مغنی و مزایر نہ کھینچ

ردیف حا

۴۱

لاصح تیاں ہے ، شیفقہ نیم جہاں کی طرح
 کیا دل میں چبھ گئی لکھ جاں مٹاں کی طرح؟
 چتر ہے آپ غیر سے دل کھول کر ملیں
 آخر تو یہ بھی میرے ہی ہے امتحاں کی طرح
 آسِ شمع رُو کی بزم میں مائع نہ تھا کوئی
 ہوتی سبک جو نالہ آتشِ فشاں کی طرح
 کیوں ہر نفس ہے شہدِ خموشی سے بند لب
 بھاتی ہے دل کو کون سے شمعیں بیاں کی طرح
 لڑنے میں آشتی نہ تغافل میں التفات
 یہ جوڑ کی نکال ہے تم نے کہاں کی طرح
 خمیازہ بند بند گمل ہے خار سے
 بدست کر گئی یہ کسی ابرو کہاں کی طرح
 ہر ہر قدم پہ رشک سے جلتی ہے شمعِ فدا
 چلتا ہے وہ بھی شیفقہ میری زباں کی طرح

۱۔ فدا بالکسر؟ کوہِ بزرگ و کوہیت مہاںِ حرمین الشریفین و نام۔
 مردے و لقب شاعریت و زمینے کہ ہاواںِ برآں نہ رسیدہ باشد ،
 و شاخِ دوست و کرویہ جمع و فراہم آمدہ و لوح و گولہ و یہ فتحین
 دروغ و خطا ۔ ۔ ۔ و در فارسی یہ معنی فکر و حیلہ ۔ شمس التلغات ،

ردیفِ خا

۲۲

دیا ہے ہوسہ مجھے جب کہ میں ہوا گستاخ
 غلط ہے بات کہ کم رزق ہے گدا گستاخ
 تمھاری ہزم میں افسردہ میں نہ پیشوں کا
 نسیمِ باغ میں چالاک ہے ، صبا گستاخ
 کہاں ہے غیرتِ سوخی کہ جاے غیرت ہے
 نگاہِ بارے ہر وقت ہے حیا گستاخ
 سنیہ جیسے کہ خدمت سے چل نکلتے ہیں ا
 غرورِ مہر و ولایت مجھے کیا گستاخ
 لبوں سے جان ہے گستاخ ذوقِ بے حد سے
 زبانِ ہوسہ مجھے تو نے کیوں کہا گستاخ
 قبول کیوں نہ ہوئی خواہشِ ہم آغوشی
 کہ آشناؤں سے ہوتے ہیں آشنا گستاخ
 عنانِ ضبط کوئی شیفہ سے تھمتی ہے
 کہ ہر کرشمہ ہے چالاک و ہر ادا گستاخ

ردیف دال

۲۳

روزِ غم میں کیا قیامت ہے شبِ عشرت کی یاد
 اشکِ خوں سے آگئیں رنگینیاں صحبت کی یاد
 میری حالت دیکھ لو تغیر کتنی ہو چکی
 وصل کے دن دم بہ دم کیوں شیشہ ساعت کی یاد
 میں ہوں بے کس اور بے کس پر ترحم ہے ضرور
 حسنِ روزِ انزوں دلا دینا مری حالت کی یاد
 طاقِ جنبش نہیں اس حال پہ قصدِ عدم
 مر گئے اور ابھی رہے گی ابھی اس ہمت کی یاد
 غالباً ایامِ حرم میں خودی میں کٹ گئے
 آتی ہے پھر آرزو بھولی ہوئی مدت کی یاد
 دل لگانے کا ارادہ پھر ہے شاید شیفقہ
 ایسی حسرت سے جو ہے گزری ہوئی آفت کی یاد

ردیف ذال

۲۴

طلبِ بوسہ پر آس لب سے شکر آب لذیذ
 قند ہے ، تلخ ہے ، لیکن ہے مئے لب لذیذ
 کچھ مزا تو نہ سمجھ خضرِ امورِ عشرت
 سب مزاجوں میں نہیں ایک سے اسباب لذیذ

سم کی تاثیر کرے ہجر میں آبِ حیوان
مے گل کون سے سوا وصل میں ہے آبِ لذیذ

ردِّ زہاد سہی ہر نہیں مقبولِ مغان^۱
تیا نہ معلوم ہو تلخی^۲ سے لاپ لذیذ
شیفتہ ذوقِ سحر آس نے کہاں دیکھا ہے
وہ جو کہتا ہے کہ ہے آخر شب ، خواب لذیذ

ردیف رے

۲۵

وصل کے لطف آٹھاؤں کیوں کر
تاب آس جلوے کی لاؤں کیوں کر
گرم جوشی کا کروں شکوہ کہ وہ
کہتے ہیں تیرے کو جلاؤں کیوں کر
کیا کروں ہائے میں بے تاب ، وہ شوخ
چین سے پاس بٹھاؤں کیوں کر
ہر 'نیر' مو سے دھواں اٹھتا ہے
آتشِ غم کو چھپاؤں کیوں کر
میرے آنے سے تم اٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر
یاد نے جس کی بھلایا سب کچھ
آس کی میں یاد بھلاؤں کیوں کر

آپ بھایا مجھے روتا ایسا
کہتے ہیں ہائے میں جاؤں کیوں کر

چارۂ غیر سے فرصت ہی نہیں
دردِ دل آس کو سناؤں کیوں کر

زندگانی سے غصا ہوں اپنی
بھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

آس کے آنے ہی بھڑک اٹھی اور
آتشِ دل کو پھہاؤں کیوں کر

شورِ محشر ابھی چونک اٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر

شیفتہ آیا ہوں میں کس کا نمائشا دیکھ کر
رہ گئے حیران مجھ کو سب خود آرا دیکھ کر

شوقِ خوبیاں اڑ گیا حوروں کا جلوہ دیکھ کر
ریزِ دنیا مٹ گیا آرامِ عقبیٰ دیکھ کر

ہوہ آتشِ جلوہ ، اشک افشاں ہمارے شور سے
شمعِ رو دیتی ہے پروانے کو جلتا دیکھ کر

خیر جو گذری سو گذری پر یہی اچھا ہوا
خط دیا تھا نامہ بر نے آس کو تنہا دیکھ کر

سائلِ مہرم کی بھیتی مجھ پہ فرمانے لگے
آرزوئے شوق کا گرمِ تقاضا دیکھ کر

ہے وہاں سستی طلب میں ، جانیاں بھاری نہیں
کام کرتے ہیں مزاجِ کار فرما دیکھ کر

ہیں تو دونوں سخت لیکن کون سا ہے سخت تر
اپنے دل کو دیکھے میرا کایجا دیکھ کر

کاؤں بھی ہم کو غنیمت ہے کہ آبادی تو ہے
آنے ہیں ہم سخت پُر آشوب صحرا دیکھ کر

اب کسے لاؤں گواہی کے لیے روزِ جزا
میرے دشمن ہو گئے ، اُس کو احبا دیکھ کر

میں کمینِ تویہ میں ہوں آپ ، لیکن کیا کروں
منہ میں پھر آتا ہے پانی جام و مینا دیکھ کر

التاسِ وصل پر بگڑے تھے بے ڈھب رات کو
کچھ نہ بن آئی مگر جوشِ محمدا دیکھ کر

دوستی کرتے ہیں اربابِ غرض ہر ایک سے
میرے عاشق ہیں عداوب ربط اُس کا دیکھ کر

بے نقط مجھ کو سناؤ گے جو دیکھو گے سَم
آپ عاشق تو ہوئے ہیں شوقِ میرا دیکھ کر

پھر کہو گے اُس کو دل ، فرماؤ اے اربابِ دل
جو نہ ہو بے تاب و مضطر ، روئے زیبا دیکھ کر

بار پہلو میں نہیں ، مے جام و مینا میں نہیں
تم ہوئے حیران مجھ کو لا شکیا دیکھ کر

لاکھوں بادِ سوائق شیفۂ چلنے لگی
جان ہر کل بن رہی تھی شورِ دریا دیکھ کر

تھا قصدِ بوسہ ، نشے میں سرشار دیکھ کر
غش آ گیا مجھے انہیں ہشیار دیکھ کر

کچھ ہیرِ قتل سے نہیں آنکھوں میں اشکِ سرخ
کھانا ہے جوشِ خون تری قلوار دیکھ کر

جاتے ہیں اور منع کی طاقت نہیں ، مگر !
رہ جائیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھ کر

پردہ کسی کا یاد ، نہ بے پردگی ہے یاد
غش ہو گیا میں کعبے کے استار دیکھ کر

سرخیلِ عاشقاں مجھے کہتے ہیں بوالہوس
عاشق کا آس کو سائلِ آزار دیکھ کر

آتی ہیں یاد کاکل و دل کی حکایتیں
روتا ہوں دام و سرخِ گرفتار دیکھ کر

کہا بن گیا ہوں صورتِ دیوار دیکھنا
صورت کسی کی میں سرِ دیوار دیکھ کر

رحم ایسی سادگی پہ ستم گو ضرور ہے
عاشق ہوئے ہیں ہم تجھے بُرکاز دیکھ کر

کم رنجبتی سے لیتے ہیں دل ، ہوشیار ہیں
بڑھتا ہے مولِ شوقِ خریدار دیکھ کر

کہتا تھا وقتِ مرگ کے ہر اک سے شیفانہ
دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھ کر

یوں پاس بوالہوس رہیں چشمِ غضب سے دور
 یہ بات ہے بڑی دلِ عاشقِ طلب سے دور
 دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلیٰ لب پہ آئے
 باتیں خلافِ وضع ہیں اہلِ ادب سے دور
 مجھ کو سنا کے کہتے ہیں ہمدم سے ، یاد ہے ؟
 اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور
 جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے لہ دے کبھی
 رکھو الٹی ایسے کے مجھ کو غضب سے دور
 کیوں کر میں الجھن میں تمہاری شریک ہوں
 اربابِ رخ رہتے ہیں اہلِ طرب سے دور
 ہم سے آئے معاملہ تھا جان و جسم کا
 ہرگز ملا نہ گلہ ، ہوا غائے جب سے دور
 تو بھی جو میرے پاس نہ آئے تو کیا کروں
 تیرے ہی پاس سے تو میں رہتا ہوں سب سے دور
 میں غیرِ بوالہوس نہیں ڈرتے ہو کس لیے
 مجھ سے نہ رکھو بوسے میں تم لبِ کولب سے دور
 بوس و کنار کی نہ کروں گا ہوس کبھی
 یہ خواہشیں ہیں عاشقِ حسرتِ طلب سے دور
 آغازِ عمر ہی میں ہے ہم کو خیالِ حج
 دلی جو شیفتہ ہے دیارِ عرب سے دور

ردیف زے

۴۹

ہم بے نشان اور وفا کا نشان ہنوز
ہے خاکِ تنِ ہوا و ہوا خونِ نشان ہنوز

بیت الحزن میں نغمۂ شادی بلند ہے
نکلا ہی بابِ مصر سے ہے کارواں ہنوز

صبحِ شبِ وصالِ نئی صبح ہے ، مگر
پرویں ہنوز جلوہ گر و کہکشاں ہنوز

ہرگز ابھی شکایتِ دشمن نہ چاہیے
ہم پر بھی بارِ خوب نہیں سہریاں ہنوز

کیوں کر کہیں کہ چھٹ گئے ہم پندرِ جسم سے
اُس زلفِ بیچِ بیچ میں الجھی ہے جاں ہنوز

جو بات میکرے میں ہے اک اک زبان پر
افسوسِ مدرسے میں ہے بالکل نہاں ہنوز

خط و شکیب ہاں ہے نقابِ جالِ شوق
بے وجہ واں نہیں ہے سرِ امتحاں ہنوز

مدتِ ہوشِ بہارِ جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گلِ بے خزاں ہنوز

اکثر ہوا ہے مجھ کو سفرِ درِ وطنِ مگر
لاہا نہ دوستوں کے لیے ارسفاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ
مدھوش ہیں ملائکہ آہاں ہنوز

نا آشنا رقیب ہے ہے آشنا ابھی
نا آشنا ہے لب ہے ہمارے فسانا ہنوز

آئینہ زلف ، چاک لب ، لب باز چشم
میں صحبتِ شبانہ کے ظاہر نشان ہنوز

اے موجِ نسیم ذرا اور ٹھہر جا
ہے خاک پر ہماری وہ دامنِ فشان ہنوز

مے خانے میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغان ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیان ہنوز

آتا ہوں میں وہیں ہے ذرا صبرِ شیفہ
سوئے کے قصد میں بھی نہیں پاسیاں ہنوز

۵۰

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاعد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں پی کے مے صوف
مست سوتے ہیں صبح تک شب خیز

رند کیا یاں تو شاہد و مے ہے
ہمارا کسو نہیں گزیر و گریز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں
خطمِ حشر و بیمِ رستاخیز

ہے غریبوں کو جراتِ فرہاد
ہے قدیموں کو عشرتِ پرویز

عیش نے یاں بٹھا دیا لائقہ
 غم نے کی یاں سے رخس کو مہمیز
 کوئی یاں غم کو جانتا بھی نہیں
 'جز غمِ عشق سو ہے عیش آمیز
 بادِ صرصر یہاں نسیمِ چمن
 نازِ عنصر ہے آتشِ گل تیز
 بوستان کی طرح یہاں صحرا
 دل کشا، دل ہزیر، دل آویز
 کوئی ہمالِ تجور چرخ نہیں
 کتنی ہے یہ زمین راحت خیز
 اثرِ زہرہ آس میں یاں پایا
 وہ جو سربخ ہے بڑا خوں ریز
 شیفتہ تھام لو عنانِ قلم
 یہ زمین گرچہ ہے ہوس انگیز

دلیف سمین

۵۱

دور رہنا ہم سے کب ٹک اور بے گانے کے پاس
 ہیں قریبِ مرگ، کیا اب بھی نہیں آنے کے پاس؟
 جلوہ آرا بس کہہ تھا وہ شمع سیا رات کو
 ہم بھی مر کر رہ گئے مجلس میں پروانے کے پاس

آفریں طغیانِ وحشت ، مریجا جوشِ جنوں !
 وہ یہ کہتے ہیں کہ کیوں کر جالیں دیوانے کے پاس
 غیر سے کہووائیں ، باروں سے سمجھوائیں گے ہم
 دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیوں کر نہیں آنے کے پاس
 شریفستہ نے قصہ بجنوں سنایا رات کو
 آگیا میرا اُلہیں ستے ہی افسانے کے ، پاس

ردیف شین

۵۲

آئیں نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش
 طلسمِ ہوش رہا ہے دکانِ بادہ فروش
 کھلا جو پردہ روئے حقائقِ اشیاء
 کھلی حقیقتِ رازِ نہانِ بادہ فروش
 غمرہ طہنتی و کاہلی سے ہم نے کبھی
 شباب میں بھی نہ دیکھی دکانِ بادہ فروش
 باتیں ہے کہ سے تاب مفت ہانڈ آئے
 یہ جی میں ہے کہ بتوں میں انِ بادہ فروش
 قدح سے دل ہے مراد اور سے ہے عشقِ غرض
 میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبانِ بادہ فروش
 عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آنکلیں
 کہ ہے گزر گہِ خلق ، آستانِ بادہ فروش

ہے و سرود کے اسرار آپ آکر دیکھ
 نہ بوجھ مجھ سے کہ ہوں راز دانِ بادہ فروش
 شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
 جز اس کے اور نہیں استحسانِ بادہ فروش
 تری شمع نے گلزار کو کیا برباد
 تری نگاہ نے کھولی دکانِ بادہ فروش
 عبت ہے شیفتہ ہر اک سے ہوجھتے بھرنا
 ملے گا بادہ کشوں سے نشانِ بادہ فروش

دریغ داد

۵۲

آن کو دشمن سے ہے محبت خاص
 یہ ہمارا ہے نمرۂ اخلاص
 وجد میں لائے اہلِ درد ہیں
 باد کے ساتھ خاک ہے رقاص
 دل کے ٹکڑے آڑا ، نہیں ہے گناہ
 نفس کو قتل کر ، نہیں ہے قصاص
 حسنِ باطن ، زبونی ظاہر
 ہے مئے ناب اور جامِ رصاص
 کیا مزا تم سے آشنائی کا
 ماسرہتم مدامۃ الاخلاص

ہجر زہر اور وصل ہے تریاق
 زہر و تریاق کا جدا ہے خواص
 قسمت اُس کی ، خبر نہ ہو جس کو
 عام اس دور میں ہے بادۂ خاص
 دام سے تیرے موسمِ گل میں
 بلبلوں کو نہیں ہوائے خلاص
 شیفہ نے ہماری داد نہ دی
 سچ ہے القاص لا یحب القاص

ردیف ضاد

۵۲

ہے دل کو یوں ترے دمِ اعجاز اثر سے فیض
 گنجے کو جیسے موجلۂ بادِ سحر سے فیض
 عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم
 باتے ہیں لوگ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض
 ہے عالمِ کبیر میں بھی یوں ہی جس طرح
 دل سے جگر کو فیض ہے ، دل کو جگر سے فیض
 آزدۂ جنسائے ”دے“ و ”تیر“ کو نہیں
 یک ذرہ آب و آتشِ لعل و گہر سے فیض
 اپنی نہاد میں نہیں احسان فراموشی !
 پایا ہے ہم نے صاعقے کا ابر تر سے فیض

زور کسب کر کہ عشرتِ خسرو نصیب ہو
فرہاد کو سنا ہے ، ہوا جو ہنر سے فیض ؟

لگتے ہیں آس کے سینہ و پر سے مدام ہم
ہوتا ہے ہم کو روزِ سہِ سیم ہر سے فیض
اربابِ خاتقاہ میں محتاجِ اغنیا
کافی ہے ہم کو یرمغانِ ا تیرے در سے فیض
بلبل ہارے کھر وہ خود آتے ہیں رحم سے
افزون ہے بے ہری میں یہاں بال و پر سے فیض
خرم نہادِ مے کش و زاعدِ شگفتہ دل
ہے شیفۃ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

ردیف طا

۵۵

لازم ہے بے وفا تجھے اہلِ وفا سے ربط
کیسا ہے دیکھ عکسِ ادا کو ادا سے ربط
یہ ناخن و خراش میں بگڑی کہ کیا کہوں
اک دم ہوا جو عقدہ بندِ قہر سے ربط
ناصح مری سلامتِ بے جا سے فائدہ
بے اختیار دل کو ہے آس دل رہا سے ربط
آس سرد سہر کو ہو اثر ، ہر جو ہو سکے
کام و دھان کو میرے دمِ شعلہ زہا سے ربط

کیجے گر آن سے شکوۂ انجمن کارِ عشق
 کہتے ہیں مجھ کو تم سے لہ تھا ابتدا سے ربط
 دو دن میں لنگ ہو گئے چورِ سپر سے
 اس حوصلے پہ کرتے تھے آس کی جفا سے ربط
 کیا کیجے ، بد گمانی ابرو کا دھیان ہے
 کرتے وگرنہ ہجر میں تیغِ قضا سے ربط
 تیرے ستم سے ہے یہ دعا لب پہ دم بہ دم
 یا رب نہ ہو کسی کو کسی بے وفا سے ربط
 صبحِ شبِ فراق کیا لطف مرگ نے
 کیا دیر میں ہوا ہمیں زود آشنا سے ربط
 فریادِ نزع کان تک آس کے نہ جا سکی
 تھا شیفۂ آہ میں نفسِ نارسا سے ربط

ردیف ظا

ترے لسوں کی خبریں میرے دل میں جا واعظ
 صنم پرست نہ ہو بندۂ ریا واعظ
 کسی صنم نے مگر آب کو جلا لیا ہے
 نہیں تو حوروں کی کیوں اس قدر ثنا واعظ
 تمہارے حسنِ جہاں سوز سے میں جلتا ہوں
 کہ ہیں رقیب مرے شیخ و نارسا ، واعظ

ملا کے دیکھیں کہ ہے خوب کون دونوں میں
ہم اُس کو لاتے ہیں تو حُور کو ہلا واعظ

قرے فسونِ اثر ریز سے رہا تر ہے
فغان ہے اثر و آہِ نارِنا واعظ
کمی تھی حالتِ رندی میں اُس کو کیا یارو
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ

ردیف عین

۵۷

خورشید کو اگرچہ نہ پہنچے ضیاءِ شمع
ہروانے کو پسند نہیں ہر سوائے شمع
اس تیرہ روزگار میں مجھ سا جگر گداز
مشعل جلا کے ڈھونڈے اگر تو نہ ہائے شمع
روزِ فراق میں ہے قیامت ، چالِ گل
شبِ ہائے ہجر میں ہے مصیبت ، لقائے شمع
ہروانے کیا خجل ہوئے دیکھا جو صبح کو
تھا شب کو اُس کی بزم میں خورشید جالے شمع
اُس رشکِ شمع و گل کی ہے کچھ آب و تاب اور
دیکھے ہیں جلوہ ہائے گل و شعلہ ہائے شمع
دیتی ہے اور گرمی پروانہ داغِ اشک
شبِ ہائے ہجر میں کوئی کیوں کر جالے شمع

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی
 ہے حکم شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع
 اُس لعل بے بہا سے کہاں تابِ ہم سری
 روشن ہے سب یہ قیمتِ گل اور بہائے شمع
 خورشید جس کے جلوہ سے ہو شمعِ صبح دم
 کیا ٹھہرے اُس کے سامنے نور و ضیائے شمع
 اس ٹیرہ شب میں جاؤں گے کیوں کر عدو کے گھر
 میرا رقیب وہ ہے جو اُن کو دکھائے شمع
 آئے ہیں وہ جو کور پہ سیری تو ہر زہر
 کوئی نہ بھول لائے نہ کوئی منکائے شمع
 گلی پر لگا کے آپ سے پہنچیں گے بے طلب
 آئے گی اپنے ہاؤں سے باں بن بلائے شمع
 ڈرے اٹھا نہ دے کہیں وہ بزمِ عیش سے
 کیا تاب ہے کہ شیفہ آنسو بہائے شمع

دریغ غین

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ
 رہتا ہے ورنہ گھر میں ترے تا سحر چراغ
 کیا لطفِ آہ، صبحِ شبِ ہجرِ مہروشن
 کیا فائدہ جو کیجیے روشن سحر چراغ

پروانہ گر نہ جائے تو بے جا ہے لافِ عشق
 روشن ہے میرے نالوں سے افلاک پر چراغ
 حرا کا درے طربقہ پروانہ اختیار
 اُس تابِ رخ سے کیجیے روشن اگر چراغ
 پروانہ ہو گیا ہے رقیبِ کستان کہ ہے
 اُس مہروش کے جلوے کے آگے نور چراغ
 کستابیوں کی تابِ کسے اُس کی ہزم میں
 بے باکیِ نسیم سے ہرگز نہ ڈر چراغ
 ہے شمعِ انجمن وہ مدِ آتشِ عذار
 کہی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ
 کرتا ہوں نکرِ شعر جو میں شب کو شیفتہ
 رہتا ہے خواب کہ میں مری رات بھر چراغ

دریغ فا

۵۹

وان ہوا پردہ آٹھانا موقوف
 یان ہوا راز چھپانا موقوف
 غبر کو رشک سے کیا آگ لگے
 کہ ہوا میرا جلانا موقوف
 ذکرِ شیریں کی اگر بندی ہے
 کسوہ کن کا بھی لسانا موقوف

اب کس امید پہ واں جائے کوئی
کہ ہوا غیر کا آنا موقوف

رم آہو ہے وہ رم یاد آیا
دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بد دماغ آج ہوا وہ کل رو
شیفٹہ عطر لگانا موقوف

ردیف قافی

۶۰

ہابندی' وحشت میں ہیں زنجیر کے مشتاق
دیوائے ہیں آس زلفِ گرہ گیر کے مشتاق

بے رحم نہیں جرمِ وفا قابلِ بخشش
محرور ہیں کس واسطے تعزیر کے مشتاق

رہتے تھے ہم جن سے مثالِ ورق و حرف
اب آن کی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق

لکھتا دوں جو میں آرزوے قتل میں نلے
دیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے لغافل
مہ جائیں گے ظالم دمِ شمشیر کے مشتاق

اے آہ ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر
مدت سے ہیں ہم آہ کی تاثیر کے مشتاق

سباب تھا دل ، جل کے سواب خاک ہوا ہے
 لے جالیں مری خاک کو آکسیر کے مشتاق
 کیا ہجر کے دن آنے میں ہے عذر سنیں تو
 ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق
 دل سرد ہوا سن کے ترے نالہ موزوں !
 تھے شیفقہ ہم محسنِ تاثیر کے مشتاق

ردیف کافی

۶۱

وہ جانے کیوں نہ ہجر میں جاں آئے لب تلک
 ہم آرزوئے ہوسہ بہ پیغام اب تلک
 کہتے ہیں بے وفا مجھے میں نے جو یہ کہا
 مرتے رہیں گے آپ بہ ، جیتے ہیں جب تلک
 تمکینِ حسن ہے کہ لہ بے تاب ہو سکا
 خلوت میں بھی کوئی فتنی ہے ادب تلک
 آ جانے کاش موت ہی تسکین نہ ہو نہ ہو
 ہر وقت بے قرار رہے کوئی کب تلک
 وہ چشمِ التفات کہاں اب جو اس طرف
 دیکھیں ، کہ ہے دریغِ نگاہِ غضب تلک
 ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
 پہنچاؤ یہ پیام اجلِ جاں طلب تلک

ماہوس لطف سے لہ کر اے دشمنی شعار
 آمید سے اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک
 یہاں عجز ہے رہا ہے نہ واں فائر دل فریب
 شکر بجا رہا گلہ ہے سب تلک
 ایسی ہی ہے قراری رہی متصل اگر
 اے شیفتہ ہم آج نہیں بھتے شب تلک

دریغ لام

۶۲

طالعِ خفہ دشمن لہ جگلا شبِ وصل
 دیکھ اے سرخِ سر غل نہ بھانا شبِ وصل
 آن کو منظور نہیں پسند کا آلا شبِ وصل
 اس لیے کہتے ہیں غیروں کا قسانا شبِ وصل
 صبر پروانے کا بھہر لہ پڑے ڈرتا ہوں
 ماہِ رو شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل
 خواہشِ کامِ دل اتنی لہ کر اے شوق کہ وہ
 ڈھونڈتے ہیں چلے جانے کو بھانا شبِ وصل
 آپ سنت سے بلانے بھیے کیوں کسر آؤں
 غیر کے گھر میں ہے تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل
 شان میں صحبتِ لاکس سے خلل آتا ہے
 صبحِ ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا شبِ وصل

تیرگی بختِ سب سے مرے لئے جا کہ ضرور
جلوہ آسِ مہرِ لقا کا ہے چھپانا شبِ وصل

روزِ ہجراں میں آٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے
شیفۂ اور بھی تم لطف آٹھانا شبِ وصل

۶۳

اصحابِ درد کو ہے عجب تیزیٰ خیال
مثلِ زبانِ نطقِ قلم کی زبانِ حال

عہدِ وفا کیا ہے ، باہیں گے ، شکِ عہد
وعدہ کیا ہے ، آئیں گے ، بے جا ہے احتال

ما کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرْتُمْ عَلَى الْجِبَالِ

ناز و غرور ٹھیک ہے ، جور و جفا درست
کس کے ہوا نصیب یہ حسن اور یہ چال

ساقِ پہلا وہ بادہ کہ غفلت ہو آگہی
مطرب سنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال ، حال

ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
اے خوردہ کبر ، نَحْنُ رِجَالٌ وَ هُمْ رِجَالٌ

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہے انگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغِ بال

ہنگامِ عہد کام میں لائے وہ ایسے لفظ
جن کو معافیٰ متعدد پر اشتال

مَاذَا لَتَنْهَيْنِ وَالَّتِي فِي الْجَبُوتِ
مَاذَا تَقْتُلْنَ وَالَّتِي فِي الْحِجَالِ

قطعہ

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوانِ شیفہ
ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال

لیکن مبالغہ تو ہے البتہ اس میں کم
ہاں ذکرِ خد و خال اگر ہے، تو خال خال

۶۴

ہاں کے آنے میں نہیں اُن کو جو تمکین کا خیال
حالاً کچھ تو ہوا ہے مری تسکین کا خیال

کفرِ افسوس تلے سے بھی بڑے ہائے میں نقش
اس کہ ہے دل میں میرے دستِ لکاری کا خیال

گو مجھے عاشقِ مفلس وہ کہیں طعنے سے
تو بھی کیوں کر لہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال

تعزیت کو مری وہ آنے تو کیا ذلت ہے
اہلِ ماتم کو نہیں ہزم کی تزیین کا خیال

کیوں نہ ہو دستِ مرہ ماتمہوں کا رنگیں
مرے دم تھا مجھے اُس پنچہ رنگیں کا خیال

سخنِ عشق ہے ہنر کی لکیر اے پرویز
دلِ فرہاد سے کیوں کر مٹے شہریں کا خیال

۱۔ اے محبوباؤ! تم کس طرح لوٹ مار کرتی ہو جب کہ تم گھروں میں ہوتی ہو
لوہ تم کس طرح قتل کرتی ہو جب کہ تم جاہیں کھانوں میں ہوتی ہو۔

کیا مسلمان ہیں ہم شیقتہ سبحان اللہ
دل سے جانا نہیں دم بھر ہت بے دیں کا خیال

۶۵

بلبل کو بھی نہیں آھے دماغِ صدائے گل
بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل
ہنگامِ غش جو غیر کو آس نے سنگھائے گل
جنت میں نے چلی مری جاں کو ہوائے گل
ایما ہے بعدِ مرگ بھی ہم بے وفا رہے
اس واسطے ہزار بہ میرے چڑھائے گل
مرتی ہیں گل کے نام ہی پر بلبلیں کہ اب
بھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے جب سے کھائے گل
کہنکوں عدو کی آنکھ میں تا بعدِ مرگ بھی
کاٹتے مرے مزار بہ رکھنا بجائے گل
کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر کیا کہوں
روزِ جزا بھی سینے پہ میرے جو ہائے گل
جاتی ہے تیرے حسنِ جہاں سوز سے جہاں
تکلیں گے شعلے خاکِ چمن سے بجائے گل
آخر دو رنگی آس گلِ رعنا پہ کھل گئی
لوگوں کو دیکھ کر جو عدو نے چھبائے گل
عاشق سے پہلے راہِ محبت میں جان دے
کیوں کر نہ عندلیب کرے جاں فداے گل
خساموشی عندلیب ، کہ طاقت نہیں رمی
ہیں چاک پردے کان کے مثلِ لبائے گل

شاید دکھانے لائے گا اُس کو کہ غیر نے
بستر پہ میرے کائنات کے بدلے بچھائے گل

جس گل میں ہے ادا وہ چمن میں بھلا کہاں
اے بلبلو تمہیں کو مبارک ادا ہے گل
میرا آنہیں کو غم ہے کہ بلبلی کی آہ پر
کرتا ہے کون چاک گریباں ، سوائے گل

جنت میں پہنچیں بلبلیں ، پروانے جل گئے
اب کون شمع گور پر اور کون لائے گل
اک گل کا شوق تھا سب اپنی وفات کا
پھولوں کے دن سرے رفقا نے منگائے گل

لکھی یہ ہم نے وہ غزلِ تازہ شیفہ
ہر شعر جس میں داغِ دوِ دستہ ہائے گل

ردیفِ میم

۶۶

کہ ہم سے خفا وہ ہیں گمے اُن سے خفا ہم
مدت سے اسی طرح ابھی جاتی ہے با ہم
کرتے ہیں غلط ہار سے اظہارِ وفا ہم
ثابت جو ہوا عشق ، کجا ہار کجا ہم
کچھ نشہ مے سے نہیں کم نشہِ نصوت
تقریب میں بھی صہبا کا اٹھاتے ہیں مزا ہم

مطبوع یار کو ہے جفا اور جفا کو ہم
 کہتی ہے بد عدو کو وفا اور وفا کو ہم
 دشنام بھی سنی نہ تمہاری زبان سے
 ہے کوئی اثر کو دعا اور دعا کو ہم
 افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا
 نامے کو ڈھونڈتی ہے صبا اور صبا کو ہم
 لاتا ہے ظنِ نیم تبسم سے جوش میں
 دل کو قاتی ، قاتی کو بُکا اور بُکا کو ہم
 درماں سراضِ علم کا ترے کچھ نہ ہو سکا
 چھڑے ہے چارہ گر کو دوا اور دوا کو ہم
 بھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
 بھر اُس کو دو کہتی ہے حیا اور حیا کو ہم
 ہیں جان بلب کسی کے اشارے کی دیر ہے
 دیکھے ہے اُس لگہ کو قضا اور قضا کو ہم
 ہے آرزوئے شربتِ سرگ اب تو شیفتہ
 لگتی ہے زہر ہم کو شفا اور شفا کو ہم

بچنے ہیں اس قدر جو آدمی کی ہوا سے ہم
 واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم
 افشائے رازِ عشق میں ضربِ المثل ہے وہ
 کیوں کر غبارِ دل میں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں مے کدے کو کہاں یہ عزیز واپ
 رخصت تو ہو لیں کبر و نفاق و ریا سے ہم
 اے جوشِ رشکِ قربِ عذو، اب تو مت اٹھا
 بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم
 ہے جامہ ہارہ ہارہ، دل و سینہ جاک جاک
 دیوانہ ہو گئے کلِ جببِ قبا سے ہم
 کیا جانتے تھے صبح وہ عشاءِ قد آئے گا
 شامِ شبِ فراق نہ مرتے ہلا سے ہم
 ہریات ہر نگاہ ہاری ہے اصل ہر
 لیتے ہیں مشکِ زخم کو زلفِ دوتا سے ہم
 بے گالہ جب سے ہار ہوا ہے رقیب ہے
 اُمید قطع کر چکے ہر آشنا سے ہم
 بلبل یہ کہہ رہی ہے سرِ شاخسار ہر
 ہد مست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم
 کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہلِ بزم
 شرمندہ ہو گئے قری شرم و حیا سے ہم
 ہاں شیفنہ پھر اس میں نصیحت ہی کیوں نہ ہو
 سنتے ہیں حرفِ تلخ کو سحرِ رضا سے ہم

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
 دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم
 شاید رقیبِ ڈوبِ مریں بحرِ شرم میں
 ڈوبیں گے موجِ اشک کی طغیانیوں میں ہم

محتاجِ فیضِ نامیہ کہوں ہوئے اس قدر
 کرتے جو سوچ کچھ جگرِ المالیوں میں ہم
 پہنچائی ہم نے مشقِ یہاں تک کہ ہو گئے
 استادِ عندلیب ، نواخوانیوں میں ہم
 غیروں کے ساتھ آپ بھی آلتے ہیں بزم سے
 سو میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم
 جن جن کے 'تو مزار سے گزرا وہ جی آئے
 باقی رہے ہیں ایک ٹرے فانیوں میں ہم
 گستاخیوں سے غیر کی آن کو ملال ہے
 مشہور ہوتے کشِ ادبِ دانیوں میں ہم
 دیکھا جو زلفِ یار کو تسکین ہو گئی
 یک چند مضطرب تھے پریشانیوں میں ہم
 آنکھوں سے یوں اشارۂ دشمن نہ دہکتے
 ہوئے نہ اس قدر جو نگہبانیوں میں ہم
 جو جان کہو کے مائیں تو فوزِ عظیم ہے
 وہ چیز ڈھولتے ہیں تنِ آسانیوں میں ہم
 پیرِ مغان کے فیضِ توجہ سے شیفۂ
 اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

ردیفِ نون

۷۱

کیوں نہ اڑ جائے مرا خواب ترے کوچے میں
 فرش ہے غفل و کمخواب ترے کوچے میں
 دولتِ حسنِ یہاں تک تو لٹائی ظالم
 اشک ہے گوہرِ قایم ترے کوچے میں

جوشِ گریہ عشاق سے اک دم میں ہوا
 شجرِ سوختہ ، شاداب ترے کوچے میں
 ہوش کا پاؤں جو پاں آ کے بھسل جاتا ہے
 کیا لٹکائی ہے مٹے ناب ترے کوچے میں
 ہے کفرِ پامے عدو، پا سے ترے رنگیں تر
 بس کہ ہم روتے ہیں خولاب ترے کوچے میں
 گوشہ گہری سے بھی گردش نہ کٹی طالع کی
 بھرتے ہیں صورتِ دولاب ترے کوچے میں
 غیر نے سنگ جو پھینکے وہ ہوئے بالشرِ سر
 چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں
 وہ بھی محروم نہیں جن کو نہیں بزم میں بار
 نیرے رخسار کی ہے تاب ترے کوچے میں
 جل دیا شیفقتہ سوندے میں خدا جانے کہاں
 ڈھونڈتے بھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

۷۲

کچھ درد ہے مطربوں کی کئی میں
 کچھ آگ بھری ہوئی ہے نئی میں
 کچھ زہر آکل رہی ہے بلبل
 کچھ زہر ملا ہوا ہے تمے میں
 بدست جہان ہو رہا ہے
 ہے ہمار کی بسو ہر ایک شے میں
 ہیں ایک ہی گل کی سب چاریں
 فرورداں میں اور اصلِ کدے میں

ہے مستی' نیم خام کا ڈر
 اصرار ہے جامِ پے بہ پے میں
 مے خالصہ لشیں قدم لہ رکھیں
 بزمِ جسم و بارگاہِ کے میں
 اب تک زلزلہ ہے نامِ وان کا
 گزرا ہے حسین ایک جسے میں
 ہوتی نہیں طے حکایتِ طے
 گزرا ہے کسرم ایک طے میں
 کچھ شیفانہ بہ غزل ہے آفت
 کچھ درد ہے مطربوں کی آئے میں

۷۳

روزِ خون ہوتے ہیں دو چار ترے کوچے میں
 ایک ہنگامہ ہے اے ہزار ترے کوچے میں
 فروشِ رہ میں جو دل انگار ترے کوچے میں
 خاک ہو رونقِ گلزار ترے کوچے میں
 سرفروش آتے ہیں اے ہزار ترے کوچے میں
 گرم ہے موت کا بازار ترے کوچے میں
 شعرِ بس اب نہ کہوں گا کہ کوئی پڑھتا تھا
 اپنے حالی میرے اشعار ترے کوچے میں
 نہ ملا ہم کو کبھی تیری گلی میں آرام
 نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں

ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا
 لے گیا شوقِ غلط کارِ ترے کوچے میں
 تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی عوس
 ہم ہیں اور حسرتِ دیدارِ ترے کوچے میں
 ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل
 خلد میں روح، تنِ زارِ ترے کوچے میں
 کیا تجاہل سے یہ کہتا ہے، کہاں رہتے ہو؟
 ترے کوچے میں ستم گار! ترے کوچے میں!!
 شیفہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے
 روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

۷۲

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں
 تم سے ولا کروں کہ عدو سے ولا کروں
 گلشن میں چل کے بندِ لبِ تیرے وا کروں
 جی چاہتا ہے جاسٹہ کلی کو قبا کروں
 آتا ہوں پیرِ دیر کی خدمت سے بست میں
 ہاں زاعدو تمہارے لیے کیا دعا کروں
 جوشِ فغان و دواع، کہ منظور ہے آہیں
 دل نذرِ کاوشِ نگہِ سرما سا کروں
 نقرین بے شمار ہے اس عمد و سہو پر
 گر ایک میں صواب کروں سو غطا کروں
 مطربِ بدیعِ نغمہ و ساقِ پری جہاں
 کیا شرحِ حالتِ دلِ درد آشنا کروں

تم دُلرہا ہو دل کو اگر لے گئے تو کیا
جب کاہ ہو گے میں اثر کھربا کروں

اے چارہ ساز لطف! کہ تو چارہ گر نہیں
اس اے طیب رحم! کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئے نابِ معرفت
اصلِ سرور و امرِ خیالت کو کیا کروں

یا اپنے جوشِ عشقِ بہم کو تھامے
یا کہے میں بھی نالہٗ شورشِ فزا کروں
میں جل گیا وہ غیر کے کھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارۂ آوازِ ہا کروں

ڈر ہے کہہ ہو نہ شوقِ مزامیرِ شیفۃ
ورنہ کہیں ساعرِ مجرّد سنا کروں

۷۷

جانا سحر کو ہار آئے ہاں جلوہ گر کریں
حالتِ ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں

تڑپیں میری گور کی لازم ہے خوب سی
تقریبِ سیر ہی سے وہ شاید گزر کریں

اب ایک اشک ہے دُرِ نایاب ، وہ کہاں
تارِ نظر جو گریہ سے سلکِ گُہر کریں

وہ دوست ہیں انہیں جو اثر ہو گیا تو کیا
نالے دیں وہ جو غیر کے دل میں اثر کریں

آئے تو آن کو رنج ، نہ آئے تو مجھ کو رنج
مرنے کی میرے کاش نہ آن کو خبر کریں

ہے جی میں سونگھیں لکھت کھل جا کے باغ میں
 بس کب تک التجا ہے سیرِ سحر کریں
 اب کے ارادہ ملک عدم کا ہے شیفتہ
 گہرا گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں

۷۶

شب وصل کی بھی چین ہے کیوں کر بسر کریں
 جب یوں نگاہِ بانیؑ مرغِ سحر کریں
 محفل میں اک نگاہ اگر وہ اندر کریں
 سو سو اشارے غیر سے پھر رات پھر کریں
 حلقہٴ نوح لانے سے اے چشمِ فائدہ؟
 دو اشک بھی بہت ہیں ، اگر کچھ اثر کریں
 آرزو ہوس سے خلقِ ہوا ہے یہ نا مراد
 دل پر نگاہ کیا ہے ، وہ مجھ پر نظر کریں
 کچھ اب کے ہم سے بولے تو یہ جی میں ہے کہ پھر
 نامح کو بھی رہیب سے آزرہ تر کریں
 واں ہے وہ نغمہ جس سے کہ حوروں کے ہوش جاایں
 پاں ہے وہ نالہ جس سے فرشتے حذر کریں
 اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
 کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں

۷۷

کب ہاتھ کو خیالِ جزاے رفو نہیں
 کب بارہ بارہ پہرہنِ چارہ جو نہیں
 گلگشتِ باغ کسی چمن آرا نے کی کہ آج
 سوچِ ہمار مدعی رنگ و بو نہیں

وان بار ہو گیا ہے نواکت سے ناز بھی
 پاں ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں
 کس نے سنا دیا دلِ حیرت زدہ کا حال
 یہ کیا ہوا کہ آئنے اب رو برو نہیں
 تغیرِ رنگ کہتی ہے وصلِ عدو کا حال
 یعنی نقابِ رخ پہ کبھو ہے ، کبھو نہیں
 گستاخِ شکوہ کیا ہوں کہ اندازِ عرض پر
 کہتے ہیں اختلاط کی بندے کی خو نہیں
 کیا جانے دردِ زخم کو گو ہو شہیدِ ناز
 جو نیم کشتِ خنجرِ رشکِ عدو نہیں
 ابرِ سرِ شک و گلشنِ داغ و نسیمِ آہ
 سائبانِ عیشِ سب ہے پر افسوس تو نہیں
 بد خوئیوں سے یاز کی کیا خوش ہوں شیفۃ
 ہر ایک کو جو حوصلہ آرزو نہیں

۷۸

کچھ اور بے دلی کے سوا آرزو نہیں
 اے دل یقین جان کہ ہم ہیں تو تو نہیں
 بے اشک لالہ گوں بھی نہیں بے آبرو نہیں
 آنسو میں رنگ کیا ہو کہ دل میں اہو نہیں
 پھر بھی کہو گے چھوڑنے کی اپنی خو نہیں
 عطرِ سہاک ملتے ہو وہ جس میں بو نہیں
 یہ کیا کہا کہ بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم
 اے ہم لشیں مگر وہ مرے رو برو نہیں

بے طمانی نے کام سے یہ کبھو دیا کہ اس !
 دل گم ہوا ہے اور سر جستجو نہیں
 محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو
 لڑتی ہیں کیوں اگر سرِ صلحِ عدو نہیں
 کیا جوشِ انتظار میں ہر سمت دوڑ ہے
 بد نامیوں سے ہائے گزر ایک سو نہیں
 دی کسی نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مڑہ کو آپ
 شورِ فغان کو فکرِ خراشِ گلو نہیں
 یہ بیچ و تاب میں شبِ غم بے حواسیاں
 اے دل خیالِ طرہ قابیلہ سو نہیں
 دستِ جنوں نے جامہ ہستی قبا کیا
 اب ہائے چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں
 شکرِ ستم بھی راس نہ آیا ہیں کہ اب
 کہتے ہیں وہ کہ لائقِ الطاف تو نہیں
 ہرجائی اپنے وحشی کو منہ سے یہ کہتے ہو
 کیا آپ کا نشانِ قدم کو بہ کو نہیں
 نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی
 آسید زلزلگی کی کبھو ہے ، کبھو نہیں
 کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفۃ
 اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں

ہم سے آزاد روشِ ہاتھ میں زر رکھتے ہیں
 کیا قیامت ہے کہ اب سروِ عمر رکھتے ہیں
 شکر میں وصل کی شب کے نفسِ چرخ سے ہم
 فکرِ آزادی، مرغانِ سحر رکھتے ہیں

نہ مذمت کا قائل نہ ثنا کی خواہش
 عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ ، نہ ہنر رکھتے ہیں
 دل ترا سنگ ہے ہر آگ کہاں ہے اُس میں
 دل ہمارا ہے کہ شیشے میں شر رکھتے ہیں
 آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھوٹے
 بذلہ و ہزل ترے دل میں اثر رکھتے ہیں
 نہ ہمارا کوئی دشمن نہ ہمارا کوئی دوست
 وہ نظر آور ہے جو اہل نظر رکھتے ہیں
 بے خودی ہم کو ہے اور اُن کو خود آرائی ہے
 نہ ہماری وہ ، نہ ہم اُن کی خبر رکھتے ہیں
 شیفافہ ہم سے ہو جس شخص کو ملنا مل لے
 صبح اس شہر سے ہم عزم سفر رکھتے ہیں

گرم جوشی ہے مگر فرق شرارت میں نہیں
 چھیڑ کس بات میں ، طعنہ کس اشارت میں نہیں
 رات ساق نے کہا جس کے یہ سب جلوے ہیں
 وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں
 ہم کو مقصد سے زیادہ ہے ادب میں کوشش
 ورنہ کچھ غیر ، سوا ہم سے جسارت میں نہیں
 رند فارغ بھی ہوئے جامِ سحر گاہی سے
 اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں
 فرحتِ نفس جو وہ ہے تو یہ ہے راحتِ روح
 کیا بزرگی میں مزا ہے جو حقارت میں نہیں

اہلِ دالش کے فوائد کی تو کیا بات مگر
غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جامر سے دے کہ وہاں کام پڑا ہے مجھ کو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جیسے امرِ عظیم
یہ تو داخل بھی وہاں لاز و شرارت میں نہیں

دل کے بدلے میں طلب گار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحابِ تجسارت میں نہیں

۸۱

نہ سجدہ ریز ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں
ترا فریب سے نقشِ قدم مٹاتے ہیں

چراغِ وقف، محبت نے کر دیا انسوس
کہ مجھ کو اپنے برائے سبھی جلاتے ہیں

جو آن سے نقشۂ صحبت بھی رہا چندے
تو دیکھ لو گئے کہ ہم نقش کیا بنھاتے ہیں

میں اس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ ہوں
کہاں ہے غش، رفقا عطر کیوں سنگھاتے ہیں

شبِ وصال میں تا کیفیت اُلٹا نہ سکوں
وہ مجھ کو ساغرِ مے متصل بہلاتے ہیں

ممہاری بات میں کیا آ گیا ہے شیفتہ فرق
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

عذراک ہاتھ لگا ہے آئیں یاں آنے میں
 کیوں کہا میں نے کہ چلے مرے غم خانے میں
 سیرِ وحشت کو جو اک خلق جلی آتی ہے
 شہر آباد ہوا ہے مرے ویرانے میں
 ہم بھی محروم سہی ، غیر تو ہوں گے محروم
 لطف آجائے کہیں پار کو شرمانے میں
 یہ تو سچ ہے کہ کجا محاسب و بادہ کشی
 بھر بہ اس جوشِ بہ کیوں آئے ہیں مے خانے میں
 لے لیا پنچہ کلی گوں میں جو اپنے نو نے
 ہم نے جانا ، ہیں جڑے لعل ترے شانے میں
 سچ کہا غیر کو گھر لسنہ نہ آتی ہوگی
 فرش ہے محلِ کاشاں ، ترے کاشانے میں
 شایقہ سن کے وہ دیتے ہیں جولا کھوں دشنام
 اثرِ بادہ ہے گویا مرے انسانے میں

ہے ستم کے رشک کا آن کے گاہ میں امتحاں
 غیر کا کرتے ہیں میرے امتحاں میں امتحاں
 آرزوے مرگ تھی روزِ جدائی ، سر گیسے
 کر لیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں
 چھوڑ تو دیکھو کہ بعد از قتل مجھ سے یہ کہا
 آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گاہ میں امتحاں

دیکھ کر آئینہ ، دیکھیں ہم سنسین گے یا نہیں
اپنے غم کا لیں گے سیرِ زعفران میں استحاں

اُن کے کوچے میں تمہیں لے جاؤں کیوں کر شیفۃ
کر چکا ہوں تم کو سیرِ گلستاں میں استحاں

۸۴

تنگ تھی جا خاطرِ ناشاد میں
آپ کو بھولے ہم اُن کی یاد میں

کیوں کر آلتا ہے خدا ریخِ قفسِ ا
مر گئے ہم تو کفِ صیاد میں

وہ جو ہیں تاریخ سے واقف بٹائیں
شرقِ بادِ آہ و بادِ عاد میں

بیاں آئیدِ قتل ہی نے خون کیا
رہ گئی حسرتِ دلِ جِستلاد میں

بے تعلق بن بھی آخر قید ہے
قیدِ ہوائِ خاطرِ آزاد میں

غمزہ شیریں ہی کی دولت سے تھا
جو اثر تھا نیشہِ سرہاد میں

کیوں خبر بوجھوں ، ترا بہارِ ہائے ا
مر گیا شورِ مبارکِ باد میں

بے تکلف جی میں جو آئے کرو
کیا دھرا ہے لالہ و فریاد میں

دھیان قبہ کو ہو نہ ہو ، پر شیفۃ
رات دن رہتا ہے تیری پیاد میں

۸۵

ہے استزاجِ مشک مئے لعلِ فام میں
آئی ہے بوئے غیر ہمارے مشام میں

پہنچے کہاں تصرفِ ساقی سے اہلِ بزم
پہنچی نہیں شرابِ سراہی سے جام میں
تا فرق آئے بات میں فرمائشیں وہ کہیں
تعجبِ جن کے ہو کہ سکے انصرام میں
اب کچھ ہمیں غنا سے تعلق نہیں رہا
جوش و لہجہ کو بار نہیں اس مقام میں
اس لطف سے کہاں ہے نسیمِ چمن میں ہو
جو لطف بھر رہا ہے تمہارے پیام میں

ہے شرطِ عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم
کیسا ہی دل پھنسا ہو امورِ عظام میں
آئی جو آج کام میں صہبائے تند و تلخ
ساقی نے خوب راز کہے بارِ عام میں

آہو کے بخت، آئے جو تیری کمند میں !
بلبل کی قسمت، آئے اگر تیرے دام میں !
تم کو نہیں جو عجب، تعجب ہے شیفتہ
ہے فی زمائشا یہ مرشتِ کیرام میں

۸۶

اثرِ آہِ دلِ زار کی افواہیں ہیں
یعنی مجھ پر کسرمِ یار کی افواہیں ہیں
شرم اے نالہ دل، خائے اغیار میں بھی
جوشِ انفسانِ عزا کی افواہیں ہیں

کب کیا دل میں مرے ہند و نصیحت نے اثر
ناصر بہدہ گفتار کی افواہیں ہیں

جنسِ دل کے وہ خریدار ہوئے تھے کس دن
یہ یوں ہی کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں

فیس و فرہاد کا منہ ، مجھ سے مقابل ہوں گے ؟
مردمِ وادی و کہسار کی افواہیں ہیں

یہ بھی کچھ بات ہے ، میں اور کروں غیر سے بات
تم نہ مانو کہ یہ اخبار کی افواہیں ہیں

کس توقع پہ جیں شیفقہ ماہوسِ کرم
غیر پر بھی سترِ یار کی افواہیں ہیں

۸۷

خوش رو بدُخو ہیں کیا میں چاہوں
بے گانوں سے کیوں کر آشنا ہوں

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
اے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں بن ملے لباسوں
بے گانہ آشنا ہوں

لیٹی کہے سے بگڑ گئے تھے
دیوالہ میں جان کر بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملیے
کہتا ہے کہ کیا میں بے وفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منت کثر سایہ ہا ہوں

بے گانہ وشی ستم ہے آن کی
 غیروں کو بھی یار جانتا ہوں
 اس غیرتِ گل سے ربط معلوم
 ہر چند میں ہمدِ صبا ہوں
 ہمد نہ سہی محبت اس کو
 اس بات پہ کیا آئے نہ چاہوں
 دی غیر کو اس نے کب عرق چیں
 میں شرم سے آپ کیوں ہوا ہوں
 دیکھا نہیں مجھ کو سنتے ہیں وہ
 کیا ہائے رقیب کی صدا ہوں
 مکشوف ہوا فروغِ مے سے
 ذرہ میں کسی آفتاب کا ہوں
 میں شیفۃ ہوں عزیزِ دلہا
 شیریں گفتار و خوش نوا ہوں

۸۸

عہدِ نبات عہدِ بہ ہے متصل ، نہیں
 اے شیفۃ نوید ، وہ یہاں گسل نہیں
 آفت چہیا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
 اظہارِ عشقِ غیر سے وہ منفعل نہیں
 مت چھیڑ اے رقیب کہ مانندِ زلفِ یار
 حوتا بہ یا شکستہ ہوں پر مضحل نہیں
 دل سغنیان سے پہ کہاں نازکیِ تن
 دلی کے سنگ دل تو ہشانِ چگل نہیں

کیا روئیے کہ تذکرۂ سوزِ رشک ہے
 وہ گلِ عرقِ عرقِ تو ہے لیکن خجل نہیں
 پتھر وہ اور ہے جسے مشکل ہے ٹالنا
 فرہاد بے ستون تو سہنے کی سل نہیں
 جو حال بوجھنا ہو تم اُس کو ہی بوجھ لو
 مجھ کو دماغِ قصۂ غم ہمارے دل نہیں
 پہلائے کوئی جا کے کہاں جی کو ہمارے ہمارے
 صحرائے بس گھر کے سرے متصل نہیں
 لگ جاؤ اب تو آؤ گلے سب چلے گئے
 اک شیفٹہ رہا ہے سو وہ کچھ غل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم، تم کو غم نہیں
 اپنی بھی مرگ، مرگِ بھنا سے کم نہیں
 فائد کے ساتھ بے ادبی ہوگی لا کلام
 جز شکوہ اور کچھ سرے خط میں رقم نہیں
 ہر شغل میں اہم ہے لگھبانیِ نفس
 اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں
 ہرگز نہ چھپھائے چمن زارِ عشق میں
 جو سرخ آتشیں نفس و شعلہ دم نہیں
 سو بار امتحانِ وفا کر چکے، ہر آہ
 اب تک بھی دوستی تمہیں دشمن سے کم نہیں
 حیرت فروغِ آئینہ دل ہے وصل میں
 بے وجہ ہے عتاب کہ آنکھوں میں غم نہیں

وائف اسرارِ آسانی سے
جز حریفانِ بادہ خسوار نہیں
چڑھ گئے ہیں کسی کے پھر دم پر
شیفتہ آج بے قرار نہیں

۹۲

کون سے دن تری یاد اے بت سفاک نہیں
کون سی شب ہے کہ خنجر سے جگر چاک نہیں
لطفِ قاتل میں قاتل نہیں ہو کیا کیجے
سرِ شوریدہ مرا قابلِ فتراک نہیں
تجہ پر اے دلبرِ عالم جو ہر اک مرتا ہے
اس لیے مرنے سے میرے کوئی غم ناک نہیں
دل ہوا پاک تو پھر کون نظر کرتا ہے
اور دل پاک نہیں ہے ، تو نظر پاک نہیں
علم اور جہل میں کچھ فرق نہ ہو کیا معنی !
ہم بھی بے پاک ہیں ، پر غیر سے بے پاک نہیں

قیس کو فضلِ تقدّم ہے وگرنہ یاں کیا
سرِ شوریدہ نہیں ، یا جگر چاک نہیں
ما سوی اللہ نہ رہے شیفتہ ہرگز دل میں
خسروی کاخِ سزائے خس و خاشاک نہیں

۹۳

کون ہے جو کامِ موسِ باب نہیں
کس جگہ زلف کی بو ، رخ کی ترے تاب نہیں
مجھ پر اس جلوے سے جو کچھ کہ گزرتی ہے نہ ہوچھ
اس قدر شعلہ کبھی آفتِ سیاب نہیں

برق و باران کے تلاطم کا کہاں تک مذکور
رخِ ہر نور نہیں دیدہ ہر آب نہیں

وضع کا حفظ ہے تو عشرتِ صحبت معلوم
بزمِ اعیان سے کم محفلِ احباب نہیں

اہلِ تحقیق کے نزدیک رخِ زیبا کو
ہردہ شرم سے پتھر کوئی جلیاب نہیں

سیرِ مہتاب کا وان عزم ہوا کیا موقوف
شبِ مہتاب میں لطفِ شبِ مہتاب نہیں

فیضِ حق عام ہے افسردہ دل زار نہ ہو
دشت کیا جلوہ گہ لالہ شاداب نہیں

خواب میں بھی وہ نظر آئے ہمیں غیر کے ساتھ
تلخ عیشوں کو مقرر کہ شکر خواب نہیں

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رھزن کا
کیا وہ دریا کہ جہاں ہیچرِ گرداب نہیں

ہار سا کیا ہوئے تم شیفقتہ سادے بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مٹے تاب نہیں

۹۲

ناز و تمکین ہے وہاں صبر کی یاں تاب نہیں
جی صورت ہے تو کچھ لبھنے کے اسباب نہیں

طرفہ نیرنگ محبت میں نظر آتے ہیں
برق آنکھوں سے ٹپکتی ہے یہ خواب نہیں

ہائے وہ شوقِ ملاقاتِ عدو میں جا گئے !
جس کی آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں

منع کیوں عشقِ مجازی سے ہمیں کرتے ہو
 زاہد و دھر مگر عالمِ اسباب نہیں ؟
 جان کی شکل دکھاتی ہے بنا کر تجھ کو
 دل کی تصویر بناتی ہے ، یہ سیاب نہیں
 بحر و بر میں کہیں آواں نہیں خاطرِ خواہ
 بحر میں خار نہیں دشت میں گرداب نہیں
 کہیں اعدا کی بھی کچھ دل شکنی ہے منظور
 یہ تو مانا کہ تمہیں خاطرِ احباب نہیں
 کلفتِ آلودہ نظر پڑتی ہے مشتاقوں پر
 خسروی بزم میں بھی صرفِ مٹے تاب نہیں
 ”کلّ یومٍ ہوائی شان“ کی ہے جلوہ گری
 اور وجہِ شبِ تار و شبِ مہتاب نہیں
 شکوہ آئینِ محبت میں ہے ایضادِ لطیف
 نسخہٴ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں
 غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہے نایاب پسند
 جنسِ بان دل ہے سو نادر نہیں نایاب نہیں
 شیفۃ عشق کی یہ دھوم اور اب تک حضرت !
 دلِ بے تاب نہیں ، دیدہ بے خواب نہیں ؟

۹۵

جی جائے ہر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
 قدر وفا نہیں ہے اگر امتحان نہیں
 ہم بھی دکھاتے نہیں سے اخلاص کا مزا
 آفت تو یہ بڑی ہے کہ تم بد گماں نہیں

جو دیکھنا ہو دیکھ لیں اختر شناس جلد
تالے اگر بھی ہیں تو پھر آسمان نہیں

اسرارِ عشق بھی جو حریفوں نے کہہ دیے
پھر اب کوئی جہان میں رازِ نہاں نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے وہیں کا خیال ہے
جز شاخِ سدرہ ہم کو سرِ آشیان نہیں

وہاں شوقِ داستان ہے جہاں داستانِ شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خوان نہیں

حرفِ درشتِ غیر سبک وضع بھی سہی
میں وہ ہوں جس پہ بارِ امانت گراں نہیں

رنگیں ہے بے گناہوں کے خون سے سوادِ شہر
حالِ آن کہ وہاں هنوز سرِ امتحان نہیں

حکمت ہی ہوگی برقِ جو دی ہم کو جاے دل
بے مصلحتِ صلاح و فسادِ جہاں نہیں

کیوں عازِ بزمِ شاہ سے کرتے ہیں اہلِ فقر
کچھ فرشِ یورپا سے تو کم پرتیاں نہیں

چلے چمن کو فہمِ سحرِ جلوہ گر ہوا
پرویں نہیں ، بنات نہیں ، کھکشاں نہیں

کیوں کر سنیں وہ شہرت اگر کُہ کُہ کو تہ ہو
افسوس کم شکیبِ سرا رازِ دان نہیں

آئینہ جلوہ گاہِ پری ہے ، نہ دیکھنا
نظارۂ پری کی بشر کو تہواں نہیں

ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ واں
 فخرِ فضیلت و شرفِ دودماں نہیں
 مشہورِ روزگار ہے عسودِ روزگار ؟
 بے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں
 گر ہے قریبِ غمزہ جادو اثر بھی
 دلداری ایک شہر کی مشکل وہاں نہیں
 کچھ ہم پر آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
 کس کس کے دل پزیر وہ رعبا جوان نہیں

۹۶

دل کا گلہ ، فلک کی شکایت ، یہاں نہیں
 وہ مہربان نہیں تو کوئی مہربان نہیں
 ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے رازِ عشق
 حالاں کہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں
 زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
 کچھ ورنہ نازِ جان کے بدلے گراں نہیں
 ہم زمرۂ رقیب میں مل کر وہاں گئے
 جب شوق رہنا ہو ، کوئی ہاسباں نہیں
 آشفتمثلِ باد ہوں ، بے تاب مثلِ برق
 کیوں کر معینِ چرخ تری شوخیاں نہیں
 ہم آپ پر لشار کریں کائنات کو
 ہر کیا کریں بساط میں جزئیم جاں نہیں
 سامانِ وجد فتنۂ محشر کو دے دیا
 وہ خاک پر ہماری جو دامن کشاں نہیں

کیوں ہیں ندیمِ دوست سفارش میں غیر کی
 کیا ہم کو آن سے رسم و ریزہ ارمغان نہیں
 اک حالِ خوش میں بھول گئے کائنات کو
 اب ہم وہاں ہیں مطرب و ساقِ جہاں نہیں
 کس کس پہ رشک کیجیے کس کس کو روٹیے
 کس دن وہ جلوہ آفتِ صد خامیاں نہیں
 کیوں یہ دھجور شور و شغب ہے نشور میں
 ایسا تو شیقتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

۹۷

آرام سے ہے کون، جہاںِ خراب میں
 گلِ سینہ چاک اور صباِ اضطراب میں
 سب آس میں محو اور وہ سب سے علاحدہ
 آئینے میں ہے آب نہ آئینہ آب میں
 معنی کی فکر چاہیے، صورت سے کیا حصول
 کیا فائدہ ہے، موج اگر ہے سراپ میں
 نے بادِ نو بہار ہے اب نے شمعِ گل
 ہم کو بہت ثبات رہا اضطراب میں
 حیرت ہے کیا، نقاب ہیں گر رنگِ رنگ کے؟
 نیرنگِ جلوہ سے ہے فنوعِ نقاب میں
 فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے
 بازی میں جمعہ صرف ہے، شنبہ شراب میں

ذات و صفات میں بھی ربط سمجھیے
 جو آفتاب و روشنی آفتاب میں

قطعِ نظر جو نقش و نگار جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے چونہ دیکھا ہو خواب میں

ملوث کُہنم جو کشتہ عشقِ عقیف میں
کیا شبہ اس گروہ کے حسنِ سب میں
مرنے کے بعد بھی کہیں شاید پتا لگے
کہو یا ہے ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں
بہرے ہوائے مطرب و مے ہم کو شیفتہ
مدت گزر گئی ورع و اجتناب میں

۹۸

شوخی نے تیری لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں
آنقہ گر ہو، چرخ میں لا آہاں کو
آرقص کر، زمین کو ڈال اضطراب میں
سو سہر کا فروغ ہے واں جلوہ گاہ میں
سو باغ کی شمیم ہے واں رختِ خواب میں
وہ قطرہ ہوں کہ موجِ دریا میں گم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں
سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی
رہزن کو یہ خیال کہ رہو ہو خواب میں
اُس صوتِ جان نواز کا ثانی بننا نہیں
کیا ڈھونڈتے ہو بربط و عود و رہاب میں
اے والے روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہے ہم نے شبِ ماہتاب میں

آتا ہے کون کون کہ آئے ہیں اب نظر
دربانِ افعال میں حاجبِ حجاب میں

شرمِ گنہ نہ پیرِ عشوت ، یہ رنج ہے
ہے ہے اُلٹائی اُس نے اذیتِ عتاب میں

بوجھی تھی ہم نے وجہِ ملاقاتِ مدعی
اک عمر ہو گئی اُنہیں فکرِ جواب میں

لڑتی نہ جائے اُنکو جو ساقِ سے شیفۃ
ہم کو تو خاکِ لطف نہ آئے شراب میں

۹۹

لاچار میں غموش وہ ناحقِ عتاب میں
طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں

بوسے کیے قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو
ایسا نہ ہو کہیں بڑے جھگڑا حساب میں

بے ہاک کس قدر ہے کہ ڈوبا ہوا ہے سب
دامنِ لہو میں اور گریبانِ شراب میں

شاید کہ بڑ گنتی ہے کسی شیخ کی نظر
ہم بے دھڑک جو کرتے ہیں تولدِ شباب میں

آخر جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے
اچھا نہ آئیں آپ شبِ مہتاب میں

اے آفتِ زمانہ ترے دور میں شکیب
بلبل کو باغ میں ہے نہ ماہی کو آب میں

ہوتا ہے ازدحامِ ممنا اسی قدر
ہوتی ہے جتنی دیر کشادِ نقاب میں

جور و ستم عیاں ہے ، وفا و کرم نہاں
لڑتے ہیں جاگتے ہیں ، متاتے ہیں عوَاب میں

بے باک شہوہ ، شوخ طبیعت ، زباں درواز
ملزم ہوا ہے ہر نہیں عاجز جواب میں
اُس نے دمِ وداع کہیے عہدِ التفات
افسوس میں نے کچھ نہ سنا اضطراب میں
تکلیف شیفۃ ہوئی تم کو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

۱۰۰

گر کچھ خلل نہ آئے تمہارے فراغ میں
حسرت کا ہے هجومِ دلِ داغ داغ میں
مشاطہ باغِ بان کی طرح بے قرار ہے
میں اُن کے پاس کیا ہوں کہ گلچیں ہے باغ میں
پہلے نہ تھا جہاں میں دلِ داغ دار کیا
مشہور اس قلندر جو ہوا لالہ داغ میں
جورِ ادیب و شوقِ حبیب و غمِ نشورا
اپنا کوئی زمانہ نہ گزرا فواغ میں
صبیحے لالہ فام کہاں اور ہم کہاں
خوابِ جگر ہے ہمارے اباغ میں
معلوم ہے کہ ابلجوں کو زیاں نہیں؟
قاصدِ نہ ہچکچائیو ہرگز ہلاغ میں
فانوسِ شیشہ و لکنِ زر سے کیا حصول
وہ ہے وہاں ، جہاں نہیں روغنِ چراغ میں

نے طاعتِ شکیب ، نہ اندازہ ستم
 بے جا ہے اہتمام تلاشِ سراغ میں
 اُس لو چارِ حسن کو بدنام مت کرو
 تھی شیفقہ کے پہلے ہی شورشِ دماغ میں

۱۰۱

باقی ہے بوئے دوستِ عنادل نے باغ میں
 پروانوں پر ہوئی ہے تھیلی چراغ میں
 اُس کا ہستا ملے تو ہمارا ہستا ملے
 کھویا ہے ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں
 مشکوے شد ہوا کرے پر عیشِ واں کہاں
 عشرتِ فقط نصیب ہے کنچہِ فراغ میں
 عاروں نہیں وہ حفظِ مراتب جسے نہ ہو
 جو جلوہ باغ میں ہے کہاں ہے وہ راغ میں
 ہر چند ایک نور سے روشن ہے بزمِ دھر
 جو نورِ مہر میں ہے کہاں وہ چراغ میں
 اک قطرہ جس کا مست کرے کائنات کو
 اے بے خبر وہ مے ہے ہمارے اباغ میں
 بلبل نے کلی کبھی نہیں دیکھا ، جو دیکھ لے
 زُہار پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں
 سو بار ”اُن یکاؤ“ پڑھو حسنِ دوست پر
 سامانِ صد بہار ہے اک ایک داغ میں
 پیری میں سیرِ باغ کی تقریبِ شیفقہ
 معشوقہ ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں

عید ہے اور ہم کو عید نہیں
اگر آ جائیے بعید نہیں

لاش تیری رسید تھی خط کی
خط کی یہ نامہ پر رسید نہیں

قہر کو جو کہے خفیف العقل
راے اس شخص کی مدید نہیں

گر بھی ہے هجومِ ابرِ سیاہ
گر کوئی ہے ایسے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں ان دنوں مقبول
لیکن اغیار بھی طریقہ نہیں

آج بھی شعرِ بادہ اے زاہد؟
تیرے نزدیک عید، عید نہیں؟

ذکرِ میرا سنو، نہ بھنوں کا!
لطف ہے قصہ جدید نہیں

دور میں اس کی چشم و مژگاں کے
کس جگہ تربتِ شہید نہیں

نہند آئی رقیب آتا ہے
رخصت، اتنے تو ہم بلید نہیں

شیفتہ اور بھی ہیں نغمہ سرا
پر یہ آہنگ یہ نشید نہیں

ہے گولہ گولہ شک ابھی عفو گناہ میں
 جو ہے زبان پر وہ نہیں ہے نگاہ میں
 تمکینِ اضطراب ہے بے دارِ انصاف
 کیا شوخی اثر ہے سراسیمہ آہ میں
 ہر خار و خس ہے وجد میں ہر سنگ و غشتِ نست
 کیا مے کشوں نے آگے کہا خالقاہ میں
 دشمن سے ابھی زیادہ ہے ، گو دوست کیوں نہ ہو
 مل جائے جو کوئی ٹرے کوچے کی راہ میں
 سرگشتہ ان کے پھرنے سے اربابِ درد ہیں
 کیا فرق چرخِ اخضر و چشمِ سیاہ میں
 صبا دل فریب کا اللہ سے لطفِ عام
 بے زخم ایک صید نہیں صید گاہ میں
 ہے مجھ میں اور غیر میں نصبت وہی جو ہے
 اندیشہ درست و خیالِ تباہ میں
 دن رات جلوے دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
 یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی ، نہ ماہ میں
 یاں بے زوال نعمتِ کم یابِ عشق ہے
 دعویٰ ہے بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں
 ہے جلوہ گر کرشمہ کہ انصافِ پیشی
 ہلدی لگی ہوئی ہے سر دادِ خواہ میں
 تجھ کو نظر نہ آئے تو اپنا علاج کر
 ہے مرغزارِ جلوہ نما برگِ کاه میں

دھوکا بھی کو صرف نہیں میلِ یار کا
 دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں
 ہر شیوہ آس کا اپنی جگہ میں تمام ہے
 اعجاز بات میں ہے تو جادو نگاہ میں
 افسردہ خاطری وہ ہلا ہے کہ شیفقہ
 طاعت میں کچھ مزا ہے ، نہ لذت گناہ میں

ردیف واؤ

۱۰۴

ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو
 تقصیر ہو کسی سے ، کسی کی معاف ہو
 ہرگز تو سے لبوں سے نہ چھوڑیں گے کامِ دل
 سو بار اس میں غیر سے گولام و کاف ہو
 دل دیں گے ، مال دیں گے مگر جان سو بخیر
 پہونہ ہے وہ شخص جو سرگرمِ لاف ہو
 کاف ہے خوش گزرنے کو دنیا میں اس قدر
 معشوقِ خوش مزاج ہو ، وجہِ کفاف ہو
 موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا
 حسن و جمال میں جو کوئی پاں مضاف ہو
 ہے رشکِ بارِ عام غضب ، کیا عجب اگر
 کنجِ خمول میں ہوسِ اعتکاف ہو

گر عفو ہو تصور تو اک عرض ہے ہمیں
 یہ عرض ہے تصور ہمارا معاف ہو
 غالب ہے کچھ تو فرق پڑے واں کی سیر ہے
 وحشت میں گر گزار مرا سوئے قاف ہو
 رفتار چرخ ہے اسی شیوہ پہ ، دُور کیا
 گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو
 ہاں تو شکافِ در سے لڑا آنکھ غیر ہے
 تیری ہلا سے دل میں کسی کے شکاف ہو
 جو قیسی کی روش تھی وہی اپنی راہ ہے
 دونوں سلیم فکر ہیں ، کیوں اختلاف ہو
 وہ طرزِ فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ
 معنی شگفتہ ، لفظ خوش ، انداز صاف ہو

۱۰۵

غروبِ مہر نہ ہو رُخ پہ گر لُقاب نہ ہو
 لُقاب اُلٹھا کہ یہ لمعانِ آفتاب نہ ہو
 بھرے ہیں رنگِ تکلف سے اعلیٰ سے خانہ
 شراب بس ہے ، نہیں ہے اگر کیاب ، نہ ہو
 کہیں نہ جائے بُتِ مہروش ، یہ ممکن ہے ؟
 خلل پڑے متحرک جو آفتاب نہ ہو
 ہے دل کو شکرِ وفائے عدو سے بے تاب
 کروں میں کچھ کلمہ لطف گر عتاب نہ ہو

حجابِ منظرِ مقصود ہے طلسمِ خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتحِ باب نہ ہو
عزیز ہے بُتِ مے کش کو چشمِ تر، یعنی
لہ ہو سحاب تو کیفیتِ شراب نہ ہو
بت ہی دھوم مچاتے ہیں مے کدے میں رلد
بھجے یہ ڈر ہے کہیں مدرسہ خراب نہ ہو
وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہے شبِ ماہ
خلافِ شان ہے رخ پر اگر نقاب نہ ہو
غضب ہے، قہر ہے، دیکھئے وہ چشم پہ جلوہ
جسے کہ سہر کے ابھی دیکھنے کی قاب نہ ہو
وہ روئے نالہ موزونِ شیفۃ میں کر
یہ وہ غزل ہے کہ جس کا کہیں جواب نہ ہو

۱۰۶

غیر سے حرفِ تمناے جفا کہتے ہو !
کس سے کہتے ہو، تمہیں خیر ہے، کیا کہتے ہو؟
زندگی خاک ہو جب فہم میں اتنا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں تم جس کو حیا کہتے ہو
کہتے ہیں لافِ وفا موت سے چلے کسی
ہم نہیں جانتے تم کس کو وفا کہتے ہو
کہ جسور پہ کہتے ہیں زہِ نانہمی
ناز ہم کرتے ہیں تم اُس کو جفا کہتے ہو
شیفۃ شکوہ دشمن سے بس آگے لہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہے، تم کس کو برا کہتے ہو؟

توسنِ ناز آٹھانے کیوں ہو
 خاکِ میں شہر ملانے کیوں ہو
 ناصحو! یوں بھی تو مر جاتے ہیں
 عشق سے مجھ کو ڈرا۔ کیوں ہو
 تابِ نظارہ نہیں چلے گی یاں
 تم مجھے آنکھ دکھانے کیوں ہو
 میرے نزدیک ہو لیلٰی سے سوا
 قصہ قیس سناتے کیوں ہو
 حاصل اس سلسلہ جنہائی سے؟
 ہمارے خوابیدہ جگانے کیوں ہو
 عرضِ غم حوصلہ غیر کہاں
 مجھ سے تم بات بناتے کیوں ہو
 آئینہ عشق کہیں بجھتی ہے
 شیفہ اشک جاتے کیوں ہو

ربطِ واں ہاتھ کو جب غیر کے دامن سے ہو
 کیوں نہ یاں ہاتھ کو بھر ربطِ گریبان سے ہو
 جلوۂ دوست اگر دیکھیے تو میرا ذمہ
 بھر پری زاد کو وحشت اگر انسان سے ہو
 جو خوشی خط سے تمہارے ہوئی اس سر کی قسم
 وہ شہِ ہند و شہِ روم کے فرمان سے ہو

حسن کیا رکنِ امارت ہے کہ ممکن ہی نہیں
رہط اُن سے نہ کمرے کوئی جو ارکان سے ہو

میں نہیں جانتا آپ آئیں وہ یا خط بھیجیں
ہر مرے دل کو تسلی کسی عنوان سے ہو

ہر ورق میں ہے عیاں جلوۂ نیرنگِ بہار
کیوں نہ دیوانوں کو شورشِ مرے دیوان سے ہو

چھیڑ دیکھو کہ کہا، دولوں کو ذلت ہو نصیب
ہر تجھے غیر سے ہو، غیر کو دربان سے ہو

کس نے تازاج کیا ملکِ دل و دہن کچھ؟
آج تم شیفٹہ کچھ بے سرو سامان سے ہو !

۱۰۹

اضطرابِ جرم ہے کیوں دل کو
کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو

ہوسِ لب نہ مانگتا دشمن
منہ لگاتا ہے کون سائل کو

گل کو ہے آس کے کان سے تشبیہ
کیا منے لالہ عتادل کو

غمزدہ تیری چشمِ کافر کا
سمجھے اعجازِ سحرِ باہل کو

تجھ سے اے رشکِ خور جو دون تشبیہ
نہ ہو نقصانِ ماہِ کامل کو

اب وہ نو خط ہے ملتفت، دیکھا
نقشِ تسخیرِ خطِ باطل کو

ہائے وہ شیفقہ کی ہے تاب
تھام لینا وہ تیرے محمل کو

۱۱۰

اے فلک بون کامیابِ عیش کر پرویز کو
خوابِ شیریں بھی نہ ہو فرہادِ شور انگیز کو
سحرِ وصفِ نازنین ہے فکر کے شبدیز کو
شوخیانِ ابرو سے لینی چاہییں مہمیز کو
دیکھ کر چشمِ غضب کو آس کی میں نے رو دیا
چاہیے پانی ملا لینا شرابِ تیز کو
سانپ کے سولگھے ہوئے سے ہے خبر تر عوں مجھے
سولگھے لینے دو شمعِ زلفِ عنبریز کو
کب ہوئیں گستاخیاں آدابِ دانِ عشق سے
دیجئے تہذیر اپنی تمکینِ ہوس انگیز کو
نالہِ موزوں کی ہے پروا خراسی دیکھنا
کر دیا خلوتِ نشیں غولخائے رستاخیز کو
کیوں نہ شادی مرگ ہو ناکام مجھ سا دیکھ کر
زخم کے منہ میں زبانِ خنجرِ خوں ریز کو
خطِ آزادی تھا نامہ غیر کا اے جوشِ رشک
بھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دستاویز کو
اہلِ محفل کے پسندِ طبع یہ انداز ہے
شیفقہ کسی کو سناتے شعرِ درد آہز کو

۱۱۱

کچھ تو شیریں کام کر تلخی کشر ہے داد کو
دے کفن تو عشقِ شیریں باغ کا فرہاد کو

آہ و زاری نا روا ، شوقِ اسیری ہے اثر
کون لائے آشیانے تک مہرے صیاد کو

تلخ کلمہ عشق ، شیریں بھی ہوئی بایانِ کار
یہ نویدِ شور افزا بھیجیے فرہاد کو

کہتے ہیں زیرِ زمیں لیلیٰ و مجنوں مل گئے
ہم کو بھی لازم ہے جانا واں مبارک باد کو

اک دمِ شمشیر سے آزار سب جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفۃ جلاذ کو

۱۱۲

اے دل جو ہو ، سو ہونے دے ، گرمِ فغان نہ ہو
یہ جوڑ پار ہے ، سترِ آہاں نہ ہو

دل بستی جو ایسی ہے قاعد سے کیا عجب
گر حلقِ زغم خوردہ سے بھی خونِ روان نہ ہو

مہر و وفا جو ماہ و شون سے بے عہد ہے
راخی ہیں ہم اسی میں کہ ناسہرباں نہ ہو

کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب الجھن میں کوئی لکتہ داں نہ ہو

صلق و صفا و سہر و وفا واں نہ ڈھونڈنا
جس شہر و دیہہ میں کہ سراے مغان نہ ہو

آتی ہے فصلِ گل میں چمن سے ہوائے گرم
حبیبِ نئے جلالِیا کہیں آشیان نہ ہو

کیا ہو دعاے مرگ میں آس شخص کو حجاب
جو نیم کُشتِ خنجرِ دردِ نہاں نہ ہو

صوتِ حزیں سے کچھ ہو ، نہ شکلِ جمیل سے
گر صاحبِ معاملہ آزدہ جان نہ ہو

ایما ہے سب کو چشمِ سخن گو سے شیفتہ
پھر میرے قتل پر کوئی کیا ہم زباں نہ ہو

۱۱۳

ہے بد بلا کسی کو ہم جاوِداں نہ ہو
یا ہم نہ ہوں جہاں میں خدا ، یا جہاں نہ ہو

آئینِ اہلِ عشقِ کہاں ، اور ہم کہاں
اے آہِ شعلہ بار نہ ہو ، خونِ چکان نہ ہو

فعلِ حکیم عینِ صلاح و صواب ہے
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو

تدبیرِ ترکِ دشمنِ جان کی ہے واتِ دن
کس طرح پھر مجھے کلمہِ دوستان نہ ہو

کیا وہ متاعِ جس کی نہ ہو کوئی کھات میں
ڈرتا ہوں میں جو دزد پسِ کارواں نہ ہو

جب تک فروغِ مے سے نہ ہو سینہ کُور زار
ہرگز حریفِ مے کدہ ، اسرارِ دان نہ ہو

لازم ہے یار بھی تو ہو بیتاب ، ورنہ کیا
وہ عشق ہے کہ رنجِ نہاں ہو ، وعاں نہ ہو

لاحق وہ جی جلاتے ہیں سوداے عشق پر
 جن کو یہ سوچ ہے کہ کچھ اس میں زباں نہ ہو
 ہم بوئے دوست تجھ کو سنکھائیں گے شیفقہ
 محوِ شمعِ طرۂ عنبرِ فشاں نہ ہو

۱۱۴

تہمت لگا کر آن کو کوئی کیا خجل نہ ہو
 وسواس ہم کو جب ہو جو آئینہ دل نہ ہو
 تقویٰ میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک
 صحبت سے اپنی کوئی ملول و خجل نہ ہو
 زنجیرِ آدمی رات کو کھٹکائے اور کون ؟
 اے جذبِ اشتیاق وہ پیاں کسمل نہ ہو !
 تنہا ملا ہے ہمارِ زمانِ دراز میں !
 اے فرطِ جوش و شوق ہی اب تو نخل نہ ہو
 افسردگی کے اپنی جو گرم بیاں ہوں ہم
 آتش کبھی جہان میں پھر مشتعل نہ ہو
 دشمن کے اقترا سے رہائی محال ہے
 گھر یار کا جو گھر کے سرے مستعل نہ ہو
 پھر دل دہی میں گرم ہے دل دار شیفقہ
 ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہاں دل نہ ہو

اتنے جمیل ہے تو کبھی اُس وُخو نہ ہو
ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہہ 'تو نہ ہو

مے گل کا رنگ تجھ سے مشابہ نہ دیکھیے
مجھے صبا سے بھی کہ کم ہیں تیری 'بو نہ ہو

سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکال دیں
یہ آرزو ہے اب کہ تری آرزو نہ ہو

جالا کم ہیں ہو ، جاتے تھے پاتیرے گھر کی راہ
یا اب یہ ڈر ہے راہ میں تو 'رو برو نہ ہو

یا غیر سے بھی خوش تھے کہ تیرا تو دوست ہے
یا اب خفا ہیں اُس سے جو تیرا عدو نہ ہو

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑ دو
مل جائے تم سے شیفقہ ایسا کبھو نہ ہو

کچھ ہیچ و قابِ دل کا جیہ پر اثر نہ ہو
اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیش تر نہ ہو

سامانِ عیش جمع ، مگر ہم کو اجتناب
کیا کیجیے جو حکمِ قضا و قدر نہ ہو

اُن کو وہ لاقِ مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں
ہم کو کراہتا مِ قلاشِ خبر نہ ہو

ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا
جو بات عیب کی ہے ، وہ ہرگز ہنر نہ ہو

ہم وہ نہیں کہ آس کو بھی رکنہیں حساب میں
 جس آہ کا کہ چرخِ نہم تک گزر نہ ہو
 کیا تاب ہے کہ تا بُنِ سڑگان ہو جلوہ گر
 جس قطرۂ سرشک میں لختِ جگر نہ ہو
 آسیدوارِ جلوۂ معنی غلط نہیں !
 جو لکھ لہم محو نقوش وُصُور نہ ہو
 ہر چند مجھ سے بے سبب آزرده ہے مگر
 ڈرتا ہوں میں مٹانے سے آزرده تر نہ ہو
 ہیں آنے والے شیفقہ کچھ دوست اور بھی
 مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہ ہو

۱۱۷

جب تک وہ مہر جلوہ بہان جلوہ گر نہ ہو
 لاکھ آفتاب سے شبِ ہجران سحر نہ ہو
 کیا مانگتے ہو جان ، بہت لوگ دے چکے
 وہ بات ہم سے کہیے کہ حدِ بشر نہ ہو
 کس کو کیا پسند نہ کیوں کر کروں پسند ا
 مجھ کو نظر نہ ہو جو غرورِ نظر نہ ہو
 یہ شوقِ ہرزہ تاز بہت منفعل کرتے
 زبانِ دوست ، دوست ہمارا اگر نہ ہو
 مے خانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر
 وہ شام جس میں پرتوِ فیضِ سحر نہ ہو
 آئینِ ناز کیسہ و رسمِ ادا ستم !
 معشوقہ بے ہنر ہے جو بے داد گر نہ ہو

یاروں کو رنج ہو ، یہ گوارا نہیں مجھے
ایسی جگہ مروں کہ کسی کو خبر نہ ہو

آن کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بے قرار
وہ کچھ نہ ہو تو جوش یہاں اس قدر نہ ہو

وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں
لیکن یہ شرط ہے کہ ہمیں کچھ اثر نہ ہو

اُڑتی سی شیفٹہ کی خبر کچھ سنی ہے آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہ ہو

۱۱۸

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعولت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

کیا عجب 'دور ہو آتش سے حرارت لیکن
ہے عجب آن کے اگر دل سے شرارت کم ہو

منع کی حرص پر انسان ہوا ہے مجبول
ناصر ہو ! دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

جان پر مشغلہ فارغ ہو جو تم کو دیکھے
دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو

شمع روئیوں سے بڑھا رہا ، بڑھی ظلمتِ دل
ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو

آئینہ عشق کے انسا نے جو سن رکھے ہیں
حکم عشاق کو ہے یہ کہ محبت کم ہو

ہم نے دیکھا ہے وہ صیقل کدہ ، اللہ اللہ !
کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو

نغمہ پُر درد ہے ، شورش سے افات معلوم
 بادہ پُر زور ہے ، کیا نشے کی شدت کم ہو
 شیفٹہ کیسے ہی معنی ہوں مگر نامقبول
 اگر اسلوبِ عبارت میں متانت کم ہو

ردیف ہا

۱۱۹

آلہ ، صبح ہوئی ، سُرخ چمن نغمہ سرا دیکھ
 نورِ سحر و حُسنِ گل و لطفِ ہوا دیکھ
 دو چار فرشتوں پہ بلا آئے کی قاضی
 اے لہرتِ ٹاہید ! نہ ہو نغمہ سرا ، دیکھ !
 منت سے مٹاتے ہیں مجھے ، تیں نہیں مٹتا
 اوضاعِ ملک دیکھ اور اطوارِ گدا دیکھ
 گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
 اک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ
 عاشق بھی سہی پر کوئی فرہاد سا ہوگا ؟
 کاشانہ دشمن میں نہ ہو جلوہ نما دیکھ
 اتنی نہ بڑھا باکیِ داسن کی حکایت
 داسن کو ذرا دیکھ ، ذرا بندِ قبا دیکھ
 اک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
 اے شیفٹہ ! ماہوسیِ آسید فزا دیکھ

ردیف یا

۱۲۰

کہوں میں کیا کہ کیا دردِ نہاں ہے
تمہارے ہوجھنے ہی سے عیاں ہے

شکایت کی بھی اب طاقت کہاں ہے
لگاؤِ حسرت، آہِ ناتواں ہے

نشانِ ہائے غیر آس آستانِ ہر
نہیں ہے، میرے مرقد کا نشان ہے

اجل نے کی ہے کس دم سہرائی
کہ جب پہلو میں وہ نامہریاں ہے

تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
اب آئینے سے وہ صحبت کہاں ہے

یہ کس گلِ رُو کا عالم یاد آہا !
دمِ سرد اک لہرِ بوستان ہے

عوں بے تابیِ ہلجیل موٹرا
کہ گھبراہوا کچھ باغبان ہے

سحر آن کو ارادہ ہے سفر کا
قیامت آنے میں شبِ درمیان ہے

کوئی پان لاؤ آس عیسوی نفس کو
کہ مرتا شیفقہ نام اک جوان ہے

یاد آنے کی جو عطر نشانِ آس کی کُو مجھے
لے جانے کی بہشت میں گلشن کی بُو مجھے

اے چرخِ قبر سے "دور میں انصاف ہے یہی
وصلِ صنمِ عدو کو ہو ، رشکِ عدو مجھے
رحمِ اے ہجومِ شوق کہ سنبل سے باغ میں
یاد آنے کا وہ طرہِ قایمہ مُو مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقتِ قتل
شاہد کہ آپِ تیغ سے ہوگا وضو مجھے
تا صبحِ حشر بختِ مرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آئے جگائے جو کُو مجھے

تشبیہِ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطرِ فتنہ کی آقِ ہے بُو مجھے
تابِ وصالِ آسِ سننِ الدام کو کہاں
ہیں بس نہ چھیڑ اے خلشِ آرزو مجھے

جانا ہوں کوئے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دہوانگی میں ابھی ہے تری جستجو مجھے

وہ مائعِ تہش ہے تمہیں شوقِ اضطراب
بیہاقی نہیں ہے شیفقتہ ایسی ابھی کُو مجھے

۱۲۲

لکھے رشک آن کو باد آنے لکھے ا
 ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لکھے

کچھ بناوٹ سے تو نہیں یہ غش
 تم مجھے عطر کیوں منگوانے لکھے
 میرے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
 بارے غیروں کو بھی جلانے لکھے

تلفخ کامی کی گر کہیں لذت
 چرخ غالب کہ زہر کھانے لکھے
 میرے رونے میں تو نہیں تاثیر
 غیر پھر اشک کیوں بہانے لکھے

غیر سے کب ہوا ہے ترکِ کلام
 باتیں تم ہم سے بھی بنانے لکھے
 ہم جو تحریکِ ناتوانی سے
 قصہ ہمارے ستم سنانے لکھے

ہنس کے کہنے لکھے کہ ہاں سچ ہے
 تم سرے لاز کیوں اٹھانے لکھے
 وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
 جس کو زہرہ بھی سن کے کانے لکھے

۱۲۳

اور آفت بڑھ گئی اب اس ستم ایجاد سے
 اک لٹی لذت جو ہائی دل نے ہر یجاد سے

غیر کو اندوہِ فرقت اب مبارک ہو کہ یاں
 دھیان جاتا ہی نہیں اس کا دلِ ناشاد سے

عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے ضرور
 کس کو آئندہ اثر ہے نالہ و فریاد سے
 مجھ سے کیا کیا شاد ہوگی روحِ قیس و کوہ کن
 بھر نظر آتے ہیں کوہ و دشت کچھ آباد سے
 ہیں وہ قابو میں عدو کے ، بس چہ تدبیر ہے
 جائیں اُس کے پاس نالان یار کی بیداد سے
 رشک آزادی یہ ہے ایسے اسیروں کی مجھے
 چھٹ کئے جو جان دے کر ہنچہ صیاد سے
 ڈوب مرنے کی جگہ ہے غسلِ صحت ہجر میں
 روئے دیتا ہوں احباً کی مبارک باد سے
 وہ قاتل تیشہ ہے ، میں کشتہ ابرو سے یار
 پارے جا مجھ کو نسبت دیتے ہیں فرعاد سے
 چھیڑنے کیوں ہو مجھے ، جانے دو ان باتوں کو بس
 تم بھلا جانے رہو گے شیفتہ کی یاد سے ؟

۱۲۴

بھر محرکِ ستم شعاری ہے
 بھر آلہیں جستجو ہاری ہے
 بھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم
 بھر وہی چشم و شعلہ باری ہے
 بھر وہی جوش و نالہ و فریاد
 بھر وہی شورِ آہ و زاری ہے
 بھر خیالِ نگاہِ کافر ہے
 بھر تمنائے زخمِ کاری ہے

بہر وہاں طرز دل نوازی ہے
بہر یہاں رسم جان نشاری ہے

بہر وہی بے قراری تسکین
وہی تسکین بے قراری ہے

بہر جفا وان ، وفا ہوئی بہر یاں
نا اسیدی ، امیدواری ہے

جس کے جور و ستم بھی باد نہ تھے
بہر ہمیں اس کی یادگاری ہے

بہر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے
بہر وہی وضع کر تمہاری ہے

شیفتہ بہر ہے تنگ عزت سے
بہر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

۱۲۵

وہاں پہنچنے کی منت دم صبا پر ہے
کہ شوق سے مرے خط کے لیے عوا ، پر ہے

عدو کو آگے مرے مسکرا کے ذبح نہ کر
کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پر ہے

مرضِ عوجس کے سبب سے غضب ہے وہ یہ کہے
جیسے جیسے ، نہ جیسے ، زور کیا قضا پر ہے

رقیب کہتے ہیں اس جور پر نباہتے ہو
قبامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے

خفا ہوئے ہیں عدو اپنی ہی پری خو سے
تجھے گمانِ بد اے بدگمانِ حیا پر ہے

خیال تھے اثرِ جذبِ دل سے کیا کیا آج
 ہزار خونِ ہوس گردنِ حنا پر ہے
 رقیب سے ہے جفاے حبیب کا شکوہ
 تو آپ شیفہ ، اے شیفہ جفا پر ہے

فصلِ گل ہے مے کدے کا ساز و سامان چاہیے
 توبہ زولیدہ زیبِ طاقِ لسمان چاہیے
 محوِ لیلیٰ ہے یہ محنوں چارہ سازوں سے کہو
 اس کے رعنے کے لیے یوسف کا زلداں چاہیے
 کش مکش اس حبیب سے دست جنوں بے قائدہ
 غیر کا زور آزمائی کو گریبان چاہیے
 نرگستان چاہیے ، نے چاہیے سنبل کدہ
 چشمِ نشان چاہیے ، زلفِ پریشان چاہیے
 جاے سبزہ سبزہ خط ، قدِ موزوں جاے سرو
 یہ گلستان ہو تو ہاں سیرِ گلستان چاہیے
 شاہدانِ دل رہا اتنے نہیں دشوار جو ؟
 صرف ان کو مال و جان ، ناموس و ایمان چاہیے
 ہر عزلِ اپنی بیاضِ چشمِ آہو پر لکھو
 جیسے دیوانے ہیں ہم ، ویسا ہی دیوان چاہیے
 نغمہ ہائے کلِ نشان کو سنجھیں کیا زاغ و زغن
 داد دینے کو مری ، مرغِ خوش الحان چاہیے

گردِ کلفت، خاکِ صحرا، دشتِ غم، نوکِ خار
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیابان چاہیے

جانِ دی ہے میں نے دردِ ہجرِ گلِ رفسار میں
لعلِش کے ہمراہ بلبلِ مرثیہ خوان چاہیے

اکثر ایسے وقت کم آتے ہیں اربابِ خلل ا
مے کشی کا شغلِ وقتِ ابر و باران چاہیے

جس روش میں کی خرامشِ خواہ لیک و خواہ بد
اس میں جند و جہد تا سرحدِ امکان چاہیے

گر سلوکِ راہِ حق پیشہ ہے اے روحِ ندادک
جندِ بے اندازہ و سعیِ فراوان چاہیے

پایہ کم پر شریکوں سے قناعت نیک ہے
بایزیدی زہد ہو، شبلی کا عرفان چاہیے

جسم سے ہو معنیِ روحِ مجرد آشکار
لفظ سے ہو صورتِ معنی نمایاں چاہیے

اور اگر شیوہ معاذ اللہ رندی کا ہوا
کامِ ناقص ہے مگر کتب اس میں نقصان چاہیے

لغۂ نے کا گزر ہو پردہ گاہِ زہرہ تک
سوجہ سے کا اثر تا بامِ کیوان چاہیے

آبرو رونے سے ہے پر فخرِ یکتائی نہیں
شیفۃِ مژگانِ تر خوں تابہ افشاں چاہیے

۱۔ نسخہ نظامی پریس (ص ۸۹) میں ”جذب“ اور طبع اول میں
”جند“ ہے۔

کیوں کر مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہے اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے دم کریں گے

اتنی بھی ہری ہے بے نزاری
اب آپ سے آنس کم کریں گے

جوشِ وحشت میں اے ہری رو
بس تیرا ہی نام دم کریں گے

نوبت ہے تو سب امور میں ہو
اب غیر پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا
قاصد وہ بہت الم کریں گے

آرام کی فکر اب ہوئی ہے
تم سے نہ ہوا وہ ہم کریں گے

دلی میں تو شیفقتہ ہے استاد
ہم قصد سوئے عجم کریں گے

دن سے جاں آنے کی تدبیر ہے
کیا اثرِ نالہ شب گیر ہے

جو کہ ہوا محو تجلی ذات
خاکِ در آں شخص کی اکسیر ہے

واہ ترا جلوۂ حیرت ادا
آئینہ عشاق کی تصویر ہے

وجہ توقف ، اجلِ جاں فزا
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے

چھوڑ دے وہ تو ابھی میں کیوں کر چھٹوں
کش مکش زلفِ گرہ گیر ہے

کھیل ہے کچھ یہ کہ دکھا دوں تمہیں
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

غیر پہ پڑتے ہیں خدنگِ اکاہ
سینے میں میرے خلشِ تیر ہے

خط کے نہ لکھنے کا لکھوں کیا گلہ
خامہ مدد کر دمِ تحریر ہے

کیا کہوں احباب کی آہن دلی
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے

غیر بھی کیوں تم سے نباعیں گے گر
جرمِ وفا قابلِ تعزیر ہے

نغمہ سرا کون سا یاد آگیا
نالسے میں آوازِ بچ و زیر ہے

ہم سے وہ لاحق جو خفا ہو گئے
شیقتہ کچھ اپنی ہی تصویر ہے

کہا کہ تنگ موں اتنی بھی بد گہائی سے
 کہا جو ڈر ہے مجھے ایسی مہربانی سے
 یہی ہے شکر کہ دل کی نظر تو روشن ہے
 نظر تو غیر ہوئی برقِ کنِ ترائی سے
 ہزار باتیں بتاؤ ، ملے ہو غیر سے تم
 نشانِ ہم کو ملا گم ہوئی نشانی سے
 محبت اس غفلت سے عیاں ہے اے گلِ رو
 کہ رنگِ لطف ٹپکتا ہے بد گہائی سے
 میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصفِ دہن
 وہ حوٹ کاٹتے ہیں اپنی لکتہ دانی سے
 سوائے پرِ مفاں اور ظرفِ کس کا ہے
 کہ بہرہ ور ہو گدا جامِ دوستگانی سے
 ثناِ طلب ہے عجب کاری* دلِ بے تاب
 کہ دل گرفتہ ہے دلدار دل ستانی سے
 کسی کی لڑکھرائی کون نے کھو دی ہے عینِ عوش
 یہ بے خودی نہیں صہبائے ارغوانی سے
 بھڑک گئی نمِ شبنم سے اور آتشِ گل
 یہ کیسی آگ ہے دہنی ہوئی جو پانی سے
 یہ ہے نصیحتِ پیرانِ کارِ افتادہ !
 کہ بد ہلا ہے جوانی ، ڈرو جوانی سے
 وہاں تو شیقتہ مطلوب ہے خوش افغانی
 نہ لکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے

شب ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے ہوئے
 دیں گے وہ مگر زلفِ گرہ کبر کے ہوئے

اللہ رے کافر کی فزاکت کہ آڑا رنگ
 ہم نے چو لیے رات کو تصویر کے ہوئے

اس جرم سے قاتل نے لہو اس کو چٹایا
 بسل نے لیے تھے لب شمشیر کے ہوئے

منہ فق مری جالب وہ چلے آئے ہیں گویا
 نالے نے لیے شب رخِ تاثیر کے ہوئے

وہ چومتے ہیں ہاتھ آدھر اور آدھر میں
 سوار کے لہتا ہوں جگر چیر کے ہوئے

دل ہشتر رشک سے ہوتا ہے مشبک
 زبور نہ لیے اُس ہدفِ تیر کے ہوئے

نامے کو مرے ہار نے آنکھوں سے لگایا
 مل جائے تو لوں نامہِ تقدیر کے ہوئے

کرتا ہوں جو تعریف میں اُس ٹنک دھن کی
 لیتے ہیں مرے لبِ مری تقریر کے ہوئے

یوں خاک نہ کرتا اگر اُس لب کے ، نہ لیتے
 ہم شیفہ آگے فلک پیر کے ، ہوئے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے
 دیتے ہیں زہر چارہ گزیں تیرے واسطے

الصاف کر کہ چرخ کو کیا مجھ سے کام تھا
 ساری اذیتیں مجھے دیں تیرے واسطے

افغانِ دل خراش ہے تو ہے جو بے قرار
 اہنے سے آپ ہم کو ہے کیں تیرے واسطے
 تو کیا ، ہم آپ کہتے ہیں ہم نے برا کیا
 سب کی برائیاں جو سہیں تیرے واسطے
 جس لب کے غیر بوسے لیں اس لب سے شیفۂ
 کم ہفت کالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

۱۳۲

عشقِ ذلت ہے تو ذلت ہی سہی
 میری ذلت تری عزت ہی سہی
 میرے آزار کی نہت ہی سہی
 تم کو آفت ہے تو آفت ہی سہی
 نہ لکھو نامہ ، نہ بھیجو پیغام
 عشق کی آپ سے نسبت ہی سہی
 ہم کو بھی شوق ہے نظارے کا
 دیکھنے کی تری عادت ہی سہی
 خاک ہونے پہ سرے دھیان تو ہے
 لہ سہی لطف ، کدورت ہی سہی
 دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے
 قتل کی میرے ندامت ہی سہی
 ہم نے بھی طرزِ صبا سیکھی ہے
 تیرے لگ چلنے کی خصلت ہی سہی
 سب لسانے کا نہیں ہے جو دماغ
 ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکبہ کی دعا مانگیں گے
صبر کی ہم کو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے جو ہو جائے وصال
وصل ممکن نہیں، فرقت ہی سہی

ازدحامِ غم و رشک و حرماں
بہر بھی فرصت ہے تو فرصت ہی سہی

بختِ ناساز کا ہوں شکوہ سرا
آن کی پردے میں شکایت ہی سہی

کیجئے اغیار سے ملنا موقوف
مجھ کو آفت نہیں، عبرت ہی سہی

وصلِ اغیار سے بے وجہ نہیں
میرے سر جانے کی عبرت ہی سہی

دعویٰ آفت و بے تابی حیف
گر اذیت ہے، اذیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
خیر آن سے تمہیں نفرت ہی سہی

مجھ تازہ گرفتار نے فریادِ زس کی
جان اڑ گئی بس کہنہ اسیرانِ نفس کی

بہر شکل نظر آئی مجھے دامِ و نفس کی
بہر دل نے مرے طرہ خوشخیم کی ہوس کی

ہے رحم تو اس بے خود و بے تاب پہ لیلیٰ
جو اپنے ہی نالے کو کہے بانگ جرس کی

لیرنگ ہے کیا سبزہ خط شمعِ رخوں کے
یعنی ہے منافات ہم شعلہ و خس کی

غیروں سے آئے بات نہ کرنے دوں میں لیکن
یہ بات نہیں اے مرے ہمدم مرے بس کی

خود چاک کروں جامہٴ اعداء کہ نہیں چاک
جی میں ہے کہ لونِ دہجیاں ازبابِ ہوس کی

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیرِ طریقت
گو عمر ہے میری ابھی اکیس برس کی

۱۳۲

دستِ غلو سے شب جو وہ ساغر لیا کیے
کن حسرتوں سے خونِ ہم اپنا لیا کیے

شکرِ ستم نے اور ابھی سایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے

کب دل کے چاک کرنے کی فرصت ہمیں ملی
لاصبح ہمیشہ چاکِ گریبان سپا کیے

تشبیہ دیتے ہیں لبِ جان بختِ بار سے
ہم مرتے مرتے نامِ مسیحا لیا کیے

ذکرِ وصالِ غیر و شبِ ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے ہمیں طعنے دیا کیے

تھی لحظہ لحظہ عجز میں اک مرگِ نو نصیب
ہر دم خیالِ لب سے ترے ہم جیا کیے

طرز سخن کہے ، وہ مسلم ہے شیفہ
دعویٰ زبان سے نہ کیے ہیں نے یا کیے

۱۳۵

اُس کا دل کر مرے جلنے سے پگھل جاتا ہے
بل ابھی شمع کے رشتے کا نکل جاتا ہے

رشتک سے رنگ میں تغیر جو ہائی تو کہا
مجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہے

ہج کر کس کو بلاؤں شبِ غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پہ کب سوے اجل جاتا ہے

صدقے اس خوشِ حرکتی کے سحر چھیڑنے کو
شب کو سوتے میں بچھے عطر وہ مل جاتا ہے

میں تو وہ گرم روِ راہِ طلب ہوں کہ اگر
واں بلائے تو لبِ بام ابھی بھل جاتا ہے

ہجر میں وصل و اجل کا کوئی جاتا ہے خیال
چارہ گر جان ہی لے کر پہ خلل جاتا ہے

ہنستے ہنستے جو رکاوٹ تری یاد آتی ہے
شک کرتے ہوئے آنکھوں سے سنبھل جاتا ہے

شیفہ ہی کہ ہوں میں سرو قدوں کا کُشتہ
نفل جو گور پہ آگتا ہے سو جل جاتا ہے

کلمے پر میرے، نے دشمن کے، وہ شمشیر بھرتی ہے
 نہ پاں تقدیر چلتی ہے نہ واں تقدیر بھرتی ہے

ترے خو کردہ عجزاں نے تجھ کو دیکھ کر جانا
 کہ میری آنکھ کے آگے تری تصویر بھرتی ہے
 نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے
 تجسس میں فغانِ شوق کی تاثیر بھرتی ہے
 نہیں فحجیر تیری صید کہ میں اے شکار انگن
 مشکل آرزوے خاطرِ فحجیر بھرتی ہے
 ترے گھر سے مرے گھر کا ہے آن کو قصد اے دشمن
 تری تقدیر بھرتی ہے مری تقدیر بھرتی ہے

گھٹا چھاتی ہے، لالہ کھل رہا ہے، صبح ہے، رے ہے
 عنانِ عزم کیوں گلشن سے بے تاخیر بھرتی ہے
 نگاہِ دل و باے یارِ طبع بوالہوس دیکھی
 کہ آپ ہی آپ بے تقریب و بے تقصیر بھرتی ہے
 لڑائی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن
 کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہاے میر بھرتی ہے

ادھر مائل کہاں وہ مد جبین ہے
 فلک کو مجھ سے کیوں پر خاش و کیں ہے

نہ دیکھا اپنے ہسل کا محاشا
 قریب آ کر وہ کتنا دور ہیں ہے

یہ اچھا ہے ، تو اچھا غیر کو بھی
 سناؤ اور ہوجھو کیوں غمیں ہے
 ہمیں صورت دکھائے کیا ممنا
 کہ عاشق جس کے ہیں پردہ نشیں ہے
 یہ مجھ سے شکوہ ہے اللہ رے شوخی
 کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے
 یہ کیسا تفرقہ ہجران نے ڈالا
 کہیں کیا، ہم کہیں ہیں دل کہیں ہے
 نہ ہوجھو شیفتہ کا حال صاحب
 یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

۱۳۸

الطف اوروں یہ رہے ہم کو ستم بھی بس ہے
 نہ سہی وہ بھی ہمیشہ ، کوئی دم بھی بس ہے
 بزمِ دنیا میں ہے دو شخص کو کب عیش نصیب
 سو تجھی کو رہے، مجھ کو تو یہ غم بھی بس ہے
 دستِ رس بوسہ پا کی جو نہیں ہے ، نہ سہی
 اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہے
 سجدہ دوست ہوا عشق کا حصہ ، یعنی
 اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہے
 غیر پر چاہیے اے چرخ تجھے کرنا جور
 مجھ سے ناکام کو تو بختِ دژم بھی بس ہے
 دولتِ وصل سے کیا کام ہوس ناکوں کو
 لازمِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہے

کی کمنائے کرم میں نے تو فرماتے ہیں
شیفتہ تیرے لیے جو دستم بھی بس ہے

۱۳۹

سجدے کی کسی دو پہ تمنا نہیں رکھتے
گردن پہ سرناسیہ فرما نہیں رکھتے

اس کوچے میں اے لگہت گل جلوہ عبث ہے
ہم کچھ ہوسِ سیر و تماشا نہیں رکھتے

ہر چند کہ ہے آپ سے ملنے کی تمنا
ہر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

دشوار نہیں رملرِ حجاب آپ سے لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے

یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہے کہ گویا
ہم جانِ حزن و دلِ شیدا نہیں رکھتے

مطلب مرے و معشوق سے ناصح کو نہیں ، اور
ہم دیدہٴ اینسا ، دلِ دانا نہیں رکھتے

کس لطف سے وہ لطف سے فارغ ہیں کہ عشاق
تابِ نگہِ حوصلہ فرما نہیں رکھتے

دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہے کہ بے وجہ
وہ سر پہ پرندِ گہر آسا نہیں رکھتے

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

خندہ زن ہیں دوست میرے دیدہ بُراب سے
بختِ دشمن کو جگائیں میرے نالے خواب سے

وصل کی شب میں نئی باتوں سے ہم واقف ہوئے
شعلہٴ خس ہے نہایت دیوہا سہتاب سے

میں لبو روتا ہوں ناحق آن کا دامن دیکھ کر
آن کا دامن بھر گیا ہے میرے ہی خواب سے

میں وہ سیکش ہوں اگر بے خود بھی ہو جاؤں کبھی
ہوش آتا ہے مجھے بوے شرابِ تاب سے

گرم خو دیکھا تو کر دیتے ہیں سب کو بے قرار
دل کو راحت ہو گئی بیتابیِ سہاب سے

جس کو سمجھا آشنا لکلا غرض کا آشنا
دل ہے افسردہ نہایت گرمیِ احباب سے

خند تو دیکھو تشنہ کامِ شوق مجھ کو جان کر
قتل کرتا ہے ستم گر خنجر بے آب سے

فرشِ حمل پر تھے وہ ہم خوابِ دشمن خواب میں
رونگئے میرے کھڑے ہوتے ہیں نامِ خواب سے

کس کی زلفِ خم بہ خم بھر لے گئی تاب و قرار
شیفہ بھر کچھ نظر آئے ہو تم بیتاب سے

رقیبِ یوالہوس کا منہ ہے لطفِ جور کو دیکھے
 وہ اپنی وضع کو دیکھے ہمارے طور کو دیکھے
 ہری وش بھی ہیں شیدائی کے شیدا ناصحو دیکھو
 بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے
 نظر سے لٹنے کی ، گردش سے گردوں کی بجا وہ ہے
 جو چشمِ مست کو ساق کی ، سے کے دور کو دیکھے
 صفائی غیر سے کیجئے مکدر میں نہیں تم سے
 کوئی کیا خاکِ غوش ہو جب کسی بد طور کو دیکھے
 ستم سے شیفتہ اب اس طرح مایوس کرتے ہیں
 وہ اپنی تاب کو دیکھے ہمارے جور کو دیکھے

بھر نصیحت کی کس کو تاب رہے
 جو ہیں دل کو اضطراب رہے
 جب خطائے نہ کردہ ثابت ہو
 عقل کیا ہر سرِ صواب رہے
 بوسے گل کام کر چکی اپنا
 دخترِ رز نہ نقاب رہے
 مل گیا دوست منتخب بھر کیوں
 شعر کا شوقِ انتخاب رہے
 واہ رندی و مے کشی کہ جہاں
 عمر بھر عالمِ شباب رہے

جب ہڑی لذتِ ہم آغوشی
پھر بغل میں کہاں کتاب رہے

تا نہ غافل ہو انہیں ساقی
دور میں ساغرِ حباب رہے

ہزمِ دشمن کا عزم تھا موقوف
تھوڑی دیر اور گھرِ سحاب رہے

ہے بڑھاپے میں خوفِ بدہستی
کہ جوانی میں کم خراب رہے

شیفتہ کسوٹی حال وارد ہو
پر معارف سے اجتناب رہے

۱۴۳

منہ بنائے ہوئے اُس کو سے گزر کرتا ہے
اب تو لو غیر بھی دل میں سرے گھر کرتا ہے

ذبح اُس کو بھی مؤذن ہی مگر کرتا ہے
کیوں شبِ وصل میں گلِ مرغِ سحر کرتا ہے

یاد میں اُس دُرِ دندان کی سوا جاتا ہوں
کارِ الہام سے حق میں گھر کرتا ہے

اس کے ٹاوک کی توجہ پہ مری جان نثار
ہاتھ سے چھوٹنے ہی قصدِ جگر کرتا ہے

گر نہیں یہ کہ برتا ہے وہ ظاہر داری
کیوں نگاہِ غلط انداز ادھر کرتا ہے

دلِ مضطر کی رہائی میں نظر رکھتا ہے
جو ترے طرہٴ غوشِ خم پہ نظر کرتا ہے

جلوہ معنی لظہر آنے لگا
 اپنے اپنے سے یہ صورت ہو گئی
 آن کی باتیں اس نے بھی چھپ کر سنیں
 آج ناصح کو نصیحت ہو گئی
 منع وصلِ غیر پر ہنس کر کہا
 بارے اب تم کو بھی غیرت ہو گئی
 بوئے گل اس گل کی بو کے روبرو
 فی الحقیقت بے حقیقت ہو گئی
 بس نہ فرماتے پھر وہ شیفہ
 گو انہیں تم سے محبت ہو گئی

۱۴۵

وہ جو آٹھے جانِ رحمت ہو گئی
 شیفہ یہ کیا قیامت ہو گئی
 بوئے بار اس بزم میں آئی مجھے
 جب مجھے ماتی سے آفت ہو گئی
 جلوہ بے ڈھب مانعِ نظارہ ہے
 وصل میں تاثیرِ فرقت ہو گئی
 لغتہ و سے سے مجھے کیا کام تھا
 آن کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی
 بے سخن نسبت مع اللہ ہے آئے
 قوم سے جس کو کہ نسبت ہو گئی
 اب رقیبِ بوالہوس ہیں عشق باز
 دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی

قطعه

سچ کہوں گا گو میں دونوں آشنا
بے شک اُن سے سہو و غفلت ہو گئی

عشق سے کیا کیا خرابی بڑ گئی
عقل سے کیا کیا حماقت ہو گئی

شیفتہ اکہ زند مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی !

۱۴۶

ملنے کا سرے اور ترے چرچا نہ کریں گے
گو دوست ہیں اغیار ، تو رسوا نہ کریں گے

بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سچہ کر
یہ اہلِ مروت ہیں تقاضا نہ کریں گے

کب اہلِ خرابات کوئی راز کہیں گے
جب تک کہ نہ ہم سے ہمیں پیگانہ کریں گے

پہنچا ہوں میں مرنے کے قریب آنے ہیں دیکھو
وہ دور ہیں اب پاسِ عدو کا نہ کریں گے

جانے ہو اگر غیر کے گھر ضد سے ہماری
ہم آپ کے آنے کی تمنا نہ کریں گے

مسجد میں بھی آنا ہے خیالِ خمرِ ابرو
ہم راستِ بیانی میں محابا نہ کریں گے

وہ مجھ سے نہ بولیں کبھی ، یہ بات نہ ہوگی
وہ غیر سے باتیں کریں ، ایسا نہ کریں گے

اے - ورنہ لقا کیوں نہ تمناے جنان ہو
کیا واں ترے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے

ہم آپ پہ عشق ہیں تو عشق آیا ، یہ سخن کیا
تم آپ سے جاتے ہو ، ہم آیا نہ کریں گے
ہرگز بھی نہیں خاطرِ جانان میں ٹھکانا
اے شیفتہ ہم دعویٰ بے جا نہ کریں گے

۱۳۷

کیوں نہ مجھ کو مرضِ یاس کی شدت ہو جائے
ملک الموت بھی جب ہر عبادت ہو جائے
گریڈ غیر سے وہ ہر عبادت ہو جائے
اشک شادی ہی یہ کاش اشکِ ندامت ہو جائے
اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا شادی مرگ
کیا کروں اُس کو بھی گر مجھ سے محبت ہو جائے
اور گر کچھ نہ ہو دامنِ اجل تو کہیںچوں
کاش اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے
لیم جاں وہ ہوں ، وہاں قتل کا آئے جو خیال
تو یہاں اُس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے
سانس بھی کل تو نہ تھی آج نکلتی ہے آہ
مجھ کو ڈر ہے کہیں پھر مجھ کو نہ مہلت ہو جائے
ناصرِ صحرِ منع کرو جب تو یقینی مائوں
تم کو بھی گر کسی بے درد سے آفت ہو جائے
ہا کے مشرف مجھے مرنے پہ بڑے وعدے ہیں
ہے بڑا لطف اگر اب مجھے صحت ہو جائے

شیفتہ ایسی اڑا اہلِ کدورت کی خاک
دیکھ کر شبشہ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

۱۴۸

مے ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے
ہوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ بے تاثیر سے

عشق میں اک عیدِ افکن کے مے یہ جوشِ جنوں
فصدِ میری کھولنا جراحِ نوکِ تیر سے

چاہے اغیار کو بھی اپنے منہ پر کچھ ملیں !
چاہ ثابت ہوئی مے واں رنگ کی تغیر سے

مر رہا ہوں دردِ فرقت میں ، نہیں دیتا کوئی
سچ اگر ہوجھو تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے ، قبضِ جاں ہونے لگی
دستِ دشمن کم نہیں کچھ قبضہٴ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جانا مے بعد از مرگ بھی
دیکھ لو وحشت مے ظاہر قیس کی تصویر سے

کیا غضب ہیں وہ بھی، پڑھوایا عدو سے خط مرا
تھی جو آگاہی شکایت کی آئیں تحریر سے

وصل میں روتے تو شاید کچھ اثر ہوتا آئے
کیا شبِ غم میں حصولِ اس آہ بے تاثیر سے

ننگِ سہائیِ دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کیا ذکر اس کے آجے مری آہ کا چلے
جس مگل کی شمع بزم سے بچ کر صبا چلے

ہوں بعد ذبح چھوڑ ٹڑپتا ہوا چلے
قربان ایسے آنے کے ، کیا آنے کیا چلے

ناصر تری زبان ترے بس میں جب نہ ہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے

محروم ہوں رقیب بھی جلوے سے ہار کے
بچہ جائے شمع بزم میں ، ایسی ہوا چلے

اللہ کیا غرور ہے تم کو کہ بزم سے
ہم کتنی جلد آگئے ، یہ اتنا کہا ، چلے ؟

یہ شوق وصل ہے کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
آن کی گلی کی سمت مرا نقشہ پا چلے

مانا کہ جلد آؤ گے ہر اس کا کیا علاج
چلو سے آگئے ہی جو مرا جی بٹھا چلے

کیوں روکتا ہے ، اس میں ضرر کیا ہے ساریاں
دیوانہ ایک گھر پسر حمل لگا چلے

افسوس اس نے کچھ نہ کہا سن کے حال دل
ہم قصہ خسواں کی طرح فسانہ سنا چلے

دیکھا جو نزع میں مجھے کچھ رحم آ گیا
گو زمر دینے آئے تھے شربت ہلا چلے

وعدہ عدو کا آپ کی تکرار سے کھلا
میں نے یوں ہی کہا تھا کہ کیا آنے کیا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بے وفا
 روتے مرے جنازے پہ کیوں اتر رہا چلے
 وہ گل کہیں جو جائے تو کیوں کر ملے سراغ
 مانندِ گرد جس کی جلو میں صبا چلے
 گرمی کے عذر سے انہیں جانے کا قصد ہے
 اے او سردِ رحم کہ ٹھنڈی ہوا چلے
 کیسا ہی غم رسیدہ ہو یا آ کے شاد ہو
 اک ہم تمہارے پاس خوش آئے خفا چلے
 نہیں کب سے مرگ و حسرتِ دیدار میں نزاع
 وہ آ کے ایک لمحے میں جھکڑا مٹا چلے
 جلدی ہے کیا ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں
 آخر تری کلی سے تو اے بے وفا چلے
 کیا پیش آئے دیکھتے وان جا کے دوستو
 کہہ دو کہ پیچھے پیچھے مرے رہنا چلے
 اے جان لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ
 رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے
 کس کس سے اس میں بگڑے گی کچھ پہ بھی دھیان تھا
 باقی تو آپ شیفتہ کن سے بنا چلے

۱۵۰

ظالم کبھی تو دادِ دل و چشم تو ملے
 سینے سے سینہ اور نظر سے نظر ملے
 بے صرفہ ہے مشقتِ تصریر صرفِ زر
 رستے ہی میں ہمیشہ ہمیں نامہ پر ملے

ہے دشمنوں سے اُن کو ملاقات اور وکشت
 ملتے ہیں ہم سے جیسے کہ خس سے شرر ملے
 کیا پوچھتے ہو لطف کروں تجھ پہ کس قدر
 اذنِ سرور و ناز تمہیں جس قدر ملے
 ہم خوب جانتے ہیں تمہارے بکاڑ کو
 غیروں سے لڑ کے ہم سے بھی تم لیش تر ملے
 نیرنگِ عشق دیکھ کہ منظور ہے انہیں
 گلِ گوشت میں چکیدہ مژگانِ تر ملے
 عقل طرازیوں کے مزے سب دکھاؤں گا
 وہ اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے
 اب ہے انہیں تلاشِ ماری تو فائدہ ؟
 وہ وقت ہی کیا کہ ہارا اثر ملے
 کھائے تلاشِ کوچہ جاناں میں سو فریب
 سبز جہاں ملا ، میں یہ سمجھا خضر ملے
 ظالم تبسمِ ہمکین میں لہ کر دریغ
 آخر ذرا تو لذتِ زخمِ جگر ملے
 وہ شیفانہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی
 میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

۱۵۱

آبرِ درپوزہ گرِ آب ہے اکثر ہم سے
 برق بھی مانگ کے لیے جاتی ہے اخگر ہم سے
 صلح کُل اپنی تو دانست میں بے معنی ہے
 وہ ہوئے صاف تو ہے غیر مکدر ہم سے

ناصر ساری نصیحت حسد و رشک سے ہے
 ترک ہونا ہے کوئی عیشِ مقدر ہم سے
 گردنِ غیر پہ چلنے نہیں دیکھا ہرگز
 پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہم سے
 شیفۃ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
 ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

۱۵۲

دل لیا جس نے ، بے وفائی کی
 رسم ہے کیا یہ دل رنائی کی
 تذکرہ صلحِ غیر کا نہ کرو
 بات اچھی نہیں لڑائی کی
 تم کو الدیشہ گرانٹاری
 یان توقع نہیں رہائی کی
 وصل میں کس طرح ہوں شادی مرگ
 بچہ کو طاقت نہیں جدائی کی
 دل نہ دینے کا ہم کو دعویٰ ہے
 کس کو ہے لافِ دل رنائی کی
 ایک دن تیرے گھر میں آنا ہے
 بخت و طالع نے گر رسائی کی
 دل لگایا تو ناصر کو کیا
 بات جو اپنے جی میں آئی ، کی

قطعہ

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دین داری و پارسی کی
آخر کار مے ہست ہوا
شان ہے اُس کی کبریائی کی !

۱۵۳

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے
زلزلہ آہاں ہر کچھ ہے
زاری شب کے زور تو دیکھے
تجہ میں بھی دم ، دمِ سحر کچھ ہے
راز پوشیدہ پوچھے کس سے
بے خبر ہے جسے خبر کچھ ہے
نالہ سُنتے نہیں تو بات سُنو
خوب باتوں میں بھی اثر کچھ ہے
عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے
دردِ دل ، سوزِ جگر کچھ ہے
حسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے
شہر میں شورِ الحذر کچھ ہے
اُس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے
کہ عدم سے ابھی پیش تر کچھ ہے
کھوٹی باتیں ہیں اور چلو دار
ہاں ترے دل میں سیمِ ار کچھ ہے

عشق میں ماری خویاں ہیں جمع
 اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے
 رم بہت ، آئس کم ہے طہنت میں
 وہ بہت ہے پری ، بشر کچھ ہے
 دوست یوں ”ان بکاد“ پڑھتے ہیں
 کہ سری ست آئے نظر کچھ ہے
 برق ہے روزگار خندہ نکل
 لازیمہ فرصت اس قدر کچھ ہے
 شیفتہ بھی ہے مجمع اخداد
 کچھ ہنر مند ، بے ہنر کچھ ہے

۱۵۲

”لازمی کیا ہوئی“ کیوں عش نہیں، کیا صورت ہے
 آئندہ دیکھنے سے آن کے مجھے حیرت ہے
 غیر تو طعنہ نہ دے گو کہ مجھے فرقت ہے
 کوہ کن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہے
 عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت دل میں
 غیر کو رنج ہوا ہے تو میں راحت ہے
 کچھ تھی بات نہیں وعدہ ، تسلی کیا ہو
 وہی حرمان ، وہی یاس ، وہی حسرت ہے
 مجھ سے آزرده ہو کیوں میں بھی تو کہتا ہوں یہی
 تم ملو غیر سے ، ممکن ہے یہ سب تہمت ہے
 گر عبادت کو عدو کو بھی لے آئیں تو خوب
 کہ مرا رشک سے مرلا سببِ عبرت ہے

غیر کو یاد رہی تیری محبت می نہیں
اور اگر ہے تو ترے محو سے کیوں نفرت ہے

اے عدو کس لیے نازاں ہے سچہ تو آخر
جس سے ہم خوار ہوئے ہیں یہ وہی عزت ہے
چشم سے اشک رواں لب پہ ہے آہِ سوزاں
شیفہ کس کے لیے آپ کی یہ حالت ہے

۱۵۵

آؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی
ایک دم صبر آزمائی ہو چکی
ایک حالت پر نہیں رہنا کوئی
اب وفا ہو، بے وفائی ہو چکی
ہم سبک ہوئے ہیں اپنے ہاتھ سے
جوں ہی وہ پکڑے لڑائی ہو چکی
ضعف سے ہے آپ میں آنا محال
اُس کے کورجے تک رسائی ہو چکی
اب کے جس صورت سے ہو مل جالیے
غیر کہتے ہیں صفائی ہو چکی
شیفہ یاں عشق یہ، وان 'حسن وہ
دونوں عاجز، پارسائی ہو چکی

زہر ہے ، الہاس ہے ، تلوار ہے
 مجھ کو آفت ہے انہیں دو چار ہے
 لئے چلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
 آبلے بھولیں گے آخر خار ہے
 نعل آٹھانے کا ہی اب سامان کریں
 چارہ گر بیٹھے ہیں کیوں ناچار ہے
 ذکر وصلِ غیر کر بیٹھے مباد
 کیا ملیں ہم محرمِ اسرار ہے
 بھر تو قابو میں اجل کے آچکے
 بچ گئے ہم گر غمِ دلدار ہے
 کلٹ کر سرِ خط کی جا بھیجا آئے
 کامِ خامے کا لیا تلوار ہے
 جب ہمارا رشک ہے جی بھر گیا
 بزمِ خالی ہو گئی اغیار ہے
 جو گلہ سمجھے تھے نکلا شکر ہاے
 کی شکایت ہم نے کس عیار ہے
 واہ ! ہم تو دیکھ کر مر جائیں ، اور
 زلہ ہوں مردے تری رفتار ہے
 وہمِ آسائش سے وحشت ہو گئی
 آس پری کے سایہ دیوار ہے
 بھر ہلا ہے کوئی بیٹھے شیفتہ
 آٹھ گئے جب آپ کوئے بار ہے

لطف ظاہر ہے مرے آزار سے

آشتی ہے مدعا ہیکار سے

فیض یاب نور و آئیں بند حسن

مہر آس کے ہر تو رخسار سے

ساقیا بنت العنب وہ لاکھ ہو

دل رہا تر شاہد بازار سے

غیر کو سیدھا بنایا یار نے

ہے تعجب چرخ کج رفتار سے

جی اٹھے فرہاد اگر شبیریں کہے

کیوں جدا آتی نہیں کہسار سے

کیا کہوں جوہر شناسی یار کی

مجھ کو مارا تیغ جوہر دار سے

بلبلِ شوریدہ ہے تاب و مست

آس کے کوچے کو چلی گلزار سے

ہم کناری کی ہوس تھی وقتِ تزل

ہم لپٹ کر رہ گئے تلوار سے

ہائے جوش ہے خودی، ہائے جنوں

رازِ آفت کہہ دیا اٹھار سے

واہ ہوشِ ہاسِ بدنامی کہ ہے

فکرِ اخفا محرمِ اسرار سے

جلد کھولو شیفقہ آشوش شوق

یہ جدا آئی لبِ سرفار سے

ترک ہونا بار اور الحیار سے
قطع ہونا ربطِ کل سے خار سے

کام جوں اور دعویٰ عشق کا
بار ہی پاں مدعا سے بار سے

مے ضرورت غیر کو واقع میں آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے

آہ و زاری سے شکوہ حسن سے
جیسے رونق باغ کی اشجار سے

جز دلِ شوریدہ لذت کون اٹھائے
عندلیبِ مست کی گفتار سے

دیکھ نہیں گئے ہم بھی گر اغیار کو
آپ نے جھانکا سرِ دیوار سے

نصد کے قابلِ دلِ بیمار سے
چارہ جو ہے نرگسِ بیمار سے

اپنا ٹوٹا کھر بہت مرغوب ہے
بارگاہِ نہایت و سمار سے

دیدنی ہے وہ جگہ جو ہے الک
حات جنگل اور نو بازار سے

شہوہ ہاے برقِ خاطفِ شیفہ
جلوہ گر میں آس کے شوخ اطوار سے

کچھ بات راز کی ہے ذرا پاس آئیے
 جی میں ہے آج خوب عدو کو ہنائیے
 بلبل خزاں میں آتشِ دل یوں بجھائیے
 گل کر کے شمع، شمع کے قربان جائیے
 رونا ہوا ہے اشکِ ندامت کہ ہنس کے وہ
 کہتے ہیں اور بھی کوئی دریا بہائیے
 بوسہ ہنسی ہنسی میں جو گل لے لیا تو پھر
 کہنے لگے بھلا ممبھی کیا منہ لگائیے
 سو بار النجمن سے آٹھاؤ، ہم آئیں گے
 اب ٹھن گئی کہ ناز تمھارے آٹھائیے
 آنا ہے رحمِ نازی گوشِ یار پر
 اے وائے کیوں کہ حالِ دل اُس کو سنائیے
 تدبیرِ صلح خوب ہے بن آنے بات تو
 جی میں ہے آج غیر سے آنکھیں لڑائیے
 گزرا میں اعتدالِ محبت کے فخر سے
 مجھ کو رقیب سمجھتے پر آپ آئیے
 اک نیم ناز بس ہے ہمارے ہلاک کو
 کچھ بھی نہ کیجے دیکھ کے بس مسکرائیے
 دشنام و نغمہ اس میں ہمیں بحث کچھ نہیں
 سنتے ہیں، آج آپ ہمیں کچھ سنائیے
 واعظ کے قول خوب ہیں رندوں کے فعل خوب
 وہ اُس سے میکہ لیجے یہ ان کو سکھائیے

ہے محو نقش کہنہ کہاں چائے نقشِ نو
سرمشقِ دل سے نقشِ تمنا مثالیے

ہر چند سیر کی ہے بہت تم نے شیفہ
پر مے کدے میں بھی کبھی تشریف لائیے

۱۶۰

لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہے
جو خاصیت کہ اس لبِ اعجاز فن میں ہے

یا مرسل الرياح ادھر کو بھی بھیج دے
وہ بوئے خوش کہ جیبِ نسیمِ بہن میں ہے

دہتی ہے چشمِ روشنیِ چشمِ روشنی
آمدِ لیسرِ مصر کی بیتِ الحزن میں ہے

نیرنگِ نو بہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیبِ دامِ فریبِ چمن میں ہے

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خورد سال
کیفیتِ عجب مرے دیوانہ بن میں ہے

الہاس لے کے آئیں گے دیتے ہیں یہ لوہ
لذتِ نئی کچھ آج جو زخیر کہن میں ہے

وہ آہوے رمیدہ کہ ہم جس کے صید ہیں
نے وادیِ "تار نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچہ نشکفتہ کا ہنوز
بندِ قبائے شاہدِ کل پیرغن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلہ برقِ غضب پڑا
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

کیا کیا بھنسا رہی ہے ہمیں دامِ رشک میں
آشتی کی کہ زلفِ شکن در شکن میں ہے

شعریں سے چہرہ ور نہ ہوا ایسے شوق پر
کیا سطوتِ رقیبِ دلِ کوہ کن میں ہے
خلوت میں شیفتہ سے کوئی مل کے کیا کرے
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

۱۶۱

ہوا نہ مَدِّ نظرِ چشمِ یار کے بدلے
ہزار رنگِ چہاں روزگار کے بدلے

صبا کو بھائی جو محفل کی تیری رنگینی
چمن کو داغ دے لالہ زار کے بدلے
کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

خلافِ عہد ہے شہوہ تو کیا قباحت ہے
ستم کا عہد وفا کے قرار کے بدلے
عجب ہی شہر ہے دلی بھی شیفتہ ہرگز
میں روم و شام نہ لون اس دیار کے بدلے

۱۶۲

میری خوشی کا آن کو نہایت خیال ہے
کچھ ان دلوں میں غیر سے شاید ملال ہے

بے کچھ سنے ہیں رشک سے دل ہر ہزار داغ
لامِ خدا یہ گرمیِ حسن و جمال ہے

نے تابِ وصلِ غیر نہ نیروے منعِ غیر
تقدیر سے معارضے کی کیا مجال ہے

قصدِ جواب ہو بھی تو کیا خاکِ دینِ جواب
بے صرفہ متصل یہ هجومِ سوال ہے
محکم نہیں وہ برقِ نگہ غیر پر پڑے
جز طور اور ہو تجلی، محال ہے

کچھ میرے عشق میں تمہیں شک ہو تو سامنے
دیوانِ خواجہ حافظِ فرخندہ فال ہے
ہم نے کیا جہاں سے گزر کر جہاں مقام
واں وسعتِ سپر و زمیں پائمال ہے

ہے شالہ کش جو زلفِ پریشان میں ہوا السوس
فکرِ وصلِ عاشقِ آشفہ حال ہے
کچھ آج شیفتہ ہے بہت مضطرب مگر
جانے کا اُس کے غیر کے گھر احتمال ہے

۱۶۳

ایامِ ہجر میں جو آجکل کا خیال ہے
بے شک دماغ میں اثرِ اختلال ہے

خوش تھے کہ خونِ چائے نظر، یہ خبر نہ تھی
کپڑ جفا میں خونِ ہمارا حلال ہے
آن کے خلافِ وعدہ سے میں شرم سار ہوں
کیوں کر کہوں کہ مجھ سے آئیں انفعال ہے

کیا نسترن ہو تم کہ یہ پیاری شمیم ہے
کیا برگِ گل ہو تم کہ یہ زیبا جلال ہے

ساق کو سے کدے میں سرِ ناؤ نوش ہے
 صوفی کو خانقاہ میں سرِ وجد و حال ہے
 عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز ہے
 معشوق کو غرور ہی خنج و دلال ہے
 منظور ہے حکیم کو ہر شے کی معرفت
 حالان کہ اپنی معرفت اس کو محال ہے
 ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہے
 ہر بات منطقی کی مرادِ جدال ہے
 اربابِ حکمتِ نظری کو عمل نہیں
 اہلِ کلام کو ہوسِ قہل و قال ہے
 جن کو کہ دست گاہ ہے فنِ نجوم میں
 عمر آن کی صرف زائچہ ماہ و سال ہے
 رہتے ہیں بعض درپے اسرافِ رات دن
 بعضوں کو روز و شب سرِ توفیرِ مال ہے
 بعضوں کو ہے مذاق میں فخرِ نسب لذیذ
 بعضوں کو ذوقِ دعویٰ فضل و کمال ہے
 مفلس کو فکرو ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
 منعمِ حریقی لُجہِ بیمِ زوال ہے
 جو ہیں حریصِ سیرِ چمن آن کو بزم میں
 ذکرِ شجرِ کبھی ، کبھی فکرِ نہال ہے
 جی میں کسی کے خواہشِ آرائشِ لباس
 دل میں کسی کے حسرتِ جاہ و جلال ہے
 کوئی طلب میں اشہب گل کون نظیر کی
 کوئی اسیرِ شوقِ شکارِ غزال ہے

کوئی فداےِ قیامتِ آفتِ خیرام ہے
 کوئی خرابِ نرگسِ جادوِ مثال ہے
 ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں
 بے وجہ کوئی خوش ہے ، کسی کو ملال ہے
 کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
 اس کا جو دیکھتے تو بہت کم خیال ہے

۱۶۴

تری خوبیوں غیر کہا جاتا ہے
 تو جیسا ہے بس جی مرا جاتا ہے
 ہوا آنس کیوں دل کو اولِ نظر میں
 کہ وہ مجھ کو زود آشنا جاتا ہے
 نظام سے ہوتی ہے یداد افزوں
 شکایت کو شکرِ جفا جاتا ہے
 گرفتاریؔ غیر کا ذکر مجھ سے
 مجھے کس قدر مبتلا جاتا ہے
 مجھے انصافِ زلف نے کٹ کھایا
 کوئی شخص اس کی دوا جاتا ہے
 وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہے خرم
 کہ اپنا وہ نشو و نما جاتا ہے
 ستم گر کہے سے برا ماننا کیوں
 ستم کو اگر وہ بھلا جاتا ہے
 کبھی غیر پر جور ہوتے لہ دیکھا
 مجھے کو بس اک آزما جاتا ہے

یہ دھوکا نہ کھانا کہ عمر ہے وہ
 ابھی شیوہ ناز کیا جانتا ہے
 قاتل نہ کر قتل میں میرے ہرگز
 کہ عاشق کا تو خون بہا جانتا ہے
 حذر سے واجب ہوا شیفۃ اب
 مجھے یار بھی پارسا جانتا ہے

۱۶۵

نقط یار جور و جفا جانتا ہے
 یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے
 جو یگانہ جانے تجھے خلق، کیا غم
 اگر آشنا آشنا جانتا ہے
 نہ بمنوں دل طرہ مشک بُو کا
 نہ الطافِ بادِ صبا جانتا ہے
 ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
 عجب شیوہ دل رہا جانتا ہے
 مری چشمِ ہریم کا حال آسے بوجھو
 کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے
 شکایت ہیں شکوہ شکر سے ہے
 کہ اب وہ جفا کو وفا جانتا ہے
 آئے کنجِ خلوت کی کیا ہے ضرورت
 جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے
 بھر صورت آئینہ بھی مفتنم ہے
 کچھ آئینِ اہلِ صفا جانتا ہے

عدو کی رعایت سے مجھ کو ستانا
وہ انصاف کا مقتضا جانتا ہے

ہمیں شیفٹہ کی نصیحت سے حاصل
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

۱۶۶

سجھ لے اور کوئی دن رقیبِ خوار مجھے
عزیز رکھتے ہیں اب اُن کے راز دار مجھے

شرابِ عشق ہے کیا دہشتِ خبار مجھے
جنونِ عشق ہے کیا حاجتِ بہار مجھے

اگر کہہ دو کہ تو عاشق نہیں میں سچ جانوں
تمہاری بات کا ایسا ہے اعتبار مجھے

حصولِ نام سے دل کو اگر لہ ہو آرام
بہت عزیز نہیں جانِ بے قرار مجھے

عدو کو رشک ہے ایسا کہ مفت میں گویا
ملی ہے جائے نفسِ برقِ شعلہ ہار مجھے

عجیب عشق میں تہذیبِ نفس ہوتی ہے
نہ شوقِ باغ رہا نے سرِ شکار مجھے

ملا عدو کو مے و نغمہ برق و باران سے
مبا سے خاکِ ملی اور گل سے خار مجھے

خلافِ وعدہ مسلم، وفائے وعدہ غلط
غرض کچھ اور نہیں غیرِ انتظار مجھے

خجل ہوں اب میں بے وقت اپنے آنے سے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہی رقیب ہے صحبت وہی قدح خواری
 کیا ہے آپ نے ناحق آسودار مجھے
 جفا کو ترک کرو تم ، وفا کو میں چھوڑوں
 کچھ اشتہار تمہیں ہو کچھ اشتہار مجھے
 رہے سرائر مکتوبہ دل ہی میں السوس !
 جہان میں نہ ملا کوئی رازدار مجھے
 تمام شورش و سرقا قدم شکایت ہوں
 نمودِ باہر اگر وہاں ملے گزار مجھے
 ہلاکِ جلوۂ زیبا ، خرابِ بادۂ ناب
 تمہارے شیفۂ معلوم ہیں شمار مجھے

۱۶۷

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرم سار مجھے
 کہ کس کے وعدے پر اتنا ہے انتظار مجھے
 ہزار شکر کہ آس کی گلی میں چھوڑ گئی !
 نسیم جان کے اک لاثواں غبار مجھے
 یہی کہان یہی رشک ہے اگر ، تو کہیں
 نہ کوئی دوست ملے گا ، نہ کوئی یار مجھے
 جفا ہے شحہ ہے منظور ، پر نہیں منظور
 خلافِ شیوۂ ولدانِ بادہ خوار مجھے
 عدو کے حق میں پھر آیا وہی زمانۂ عیش
 کھلے بہ معنی سیال غیر فار مجھے
 جو بادشاہ بلائے تو میں نہیں جاتا
 کہ ان دنوں میں کسی کا ہے انتظار مجھے

جو شورشیں نہ مچاتا ، اسیر کیوں ہوتا
 خراب تو نے کیا جلوۂ بہار مجھے
 عدو کے ساتھ بھی آخر جفا ہوئی آغاز
 کسی طرح بھی نہ رکھا آسودار مجھے
 رفیق ہیں متردد ، وقیب ہیں فاسخ
 عزیز رکھتی ہے وہ چشمِ فتنہ بار مجھے
 قفس میں کرق ہے تحریکِ ہالِ جنبانی
 نوائے دل کشرِ مرغیانِ شاغسار مجھے
 لیا ہی تھا لکھ پُرِ فسون نے دل لیکن
 کیا ادائے تغافل نے عوشار مجھے
 ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
 جسے غرور ہو آئے کمرے شکار مجھے
 بڑے فساد آئیں شیفٹہ ، خدا نہ کرے
 کہ آن کی بزم میں ہو دخل و اختیار مجھے

۱۶۸

سحر کئے جو وہ گل کشت گلستان کے لیے
 صبا تیش میں ہے گل ہائے بے خزان کے لیے
 انہیں ہے ہم سے محبت ، عمل کی کیا حاجت
 اگر کرو ، تو کرو آن کے پاساں کے لیے
 متاعِ یش بہا شہرِ عشق میں ہے وفا
 یہ آہ و نالہ ہے آرائشِ دکان کے لیے
 وہ اپنے باغ میں ہم کو ضرور رکھے گا
 جو بلبلوں کو نہ دے حکمِ آسپاں کے لیے

مقربانِ ملک کا ہے آہاں بہ دماغ
خزانہ چاہیے قارون کا ارمغان کے لیے

سحر کے ساتھ ہی آتے ہیں کوئے جانان میں
عدو ہنسی کے لیے اور ہم فغان کے لیے

کرم کرم نہ سمجھ ، گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ ، گر ہواستحان کے لیے

جو بوستان میں گیا میں ہلاکِ قیامتِ یار
قیامت آنے کی شمشادِ بوستان کے لیے

ہر ایک سے ہوئی قسمت بہ قدرِ استعداد
خرد ہے پیر کو اور زور ہے جوان کے لیے

غرض یہ ہے کہ مگر جائیں گر بڑے حاجت
کہ مہرِ لاسے پہ کرتے نہیں نشان کے لیے

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی !
کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کے لیے !

نہ میکرے میں ترانہ ، نہ خاتواں میں سماع
دعاے خیر ہے آسِ آفتِ جہاں کے لیے

متاعِ دانش و دہی کی ضرور ہے تسلیم
کمال ہے ادبی ہے سخنِ امان کے لیے

زباں ہے عشق میں ہم خود بھی جالتے ہیں مگر
معاملہ ہی کیا ہو اگر زباں کے لیے

ہمارے ساتھ ہیں وہ موشگافیاں کہ نہ بوجھ
پہ نکتہ پس ہے کہ آفت ہے نکتہ دان کے لیے

اگرچہ ہنسا بہرِ نازِ دل کفرِ دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگر نشان کے لیے
یہ ضبطِ راز کی تعلیم شیفتہ ہے جا
زبان ہم کو ملی ہے اگر بیاں کے لیے

۱۶۹

جو کوئے دوست کو جاؤں تو ہاسباں کے لیے
نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ ارمغان کے لیے
تمام علتِ درمالدگی ہے قلتِ شوق
تہش ہوئی بہرِ پرواز سرخِ جان کے لیے
سنی اکابرِ دیوان سے آخر آئہِ پاس
غلط تھی پہلے ہی کوشش خطِ امان کے لیے
ہری کفار میں رکتھے کہ حورِ زانو ہر
ہارا سر ہے ترے تنکِ آستان کے لیے
نکاحِ لطف تری دل کے واسطے ہے نسیم
نکاحِ خشم تری بند ہے زباں کے لیے
شریکِ بلبل و قمری ہے وہ زبوں فطرت
جو بے قرار رہے سیرِ گلستان کے لیے
آسید ہے کہ نباہیں گے امتحان لے کر
جو اس قدر متقاضی ہیں امتحان کے لیے
نہ خاکبوں سے تعلق ، نہ قدسیوں سے ربط
نہ ہم زمیں کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے
شبِ وصال ہے پیغامِ روزِ فراق کا
چار آہی ہے گلزار میں خزاں کے لیے

پیامِ دوست ہوا قاصدوں کو وجہِ شرف
 نسیمِ مصر سے عزت ہے کارواں کے لیے

قدم بھی ہم کو نہ رکھنے دیا گلستان میں
 ہزار بار قدم ہم نے باغباں کے لیے

ہزار جلوۂ رنگیں ہیں ، اور ہر جلوہ
 موادِ بحر لیے چشمِ خوں نشاں کے لیے

قفسِ زمانہ و جاں سرخ و آشیاں ملکوت
 قفس میں سرخ ہے بے تاب آشیاں کے لیے

نسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
 پڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیبِ دلستان کے لیے

ہماری نظم میں ہے شیفۂ وہ کیفیت
 کہ کچھ رہی نہ حقیقت سے مفاں کے لیے

فردیات

ہروانہ وار جلنا دستور ہے ہمارا
اُس شمعِ رو بہ مرنا مشہور ہے ہمارا

دیگر

آنکھ کل اُس سے لڑاتا تو لڑائی ہوتی
شیفتہ پر میں وہ بدلی ہوئی چتون سمجھا

دیگر

غیر پر پیار کی نظریں ہیں ، غضب کی ہم پر
نگہِ پیار میں ہے رنگ ، گلِ رعنا کا

دیگر

اُس کی جب آنکھ بھری ، بھر گئیں اُس کی آنکھیں
شیفتہ مرنے پہ تیار ہی ہے ، کیا بھرتا تھا

دیگر

کیا جانے گزری غیر یہ کیا اُس کی بزم میں
آنے وہ اس طرح کہ مجھے پیار آ گیا

دیگر

ویرانے کی مانند ذرا جی نہیں لگتا
ہر چند کہ ہے شیفتہ دلی وطن اپنا

دیگر

رقیب اپنے ہیں کس کس مزے سے جام شراب
ہمارے دور میں افسوسِ احتساب نہیں

دیگر

جوشِ جنون و ہند کی تاثیر دیکھنا
داس کو ٹانگتا ہوں گریباں کے چاک میں

دیگر

ہر شیوے سے ٹپکے ھے ادا، ناز تو دیکھو
ہر بات میں اک بات ھے انداز تو دیکھو

دیگر

کرتے ہیں جور و جفا، ناز و ادا، کہتے ہیں
یہ بھی کیا لوگ ہیں، کیا کرتے ہیں، کیا کہتے ہیں

دیگر

منت کشِ عتاب پر الطافِ شرط ھے
تنہا ستم نہ کیجیے انصافِ شرط ھے

دیگر

ایسی رغبت سے کسے قتل، کہاں کا ھے کو تھا
شیفتہ آس کو تو لو تم سے محبت نکلی

شیفتہ کا غیر مطبوعہ کلام

غزلیات

۱

روز گر جانے تو کیا کچھ نہ دکھاتے دیکھا
ایک ہی شب جو گئے، غیر کو جانے دیکھا

کیوں لگاھائے کرم صلح نہیں ہونے کی
اپنی آنکھوں سے تجھے آنکھ لڑاتے دیکھا
میری وحشت کی خبر تیس کو زہار نہیں
کل بھی لوگوں نے آئے خاک اڑاتے دیکھا

ہاتھ ملنا پسِ مُردن بھی رہا قسمت میں
گورِ اعدا بہ آئے ہاتھ اٹھاتے دیکھا
گل کیا شمع کو اُس کُو کی ہوائے جوں ہی
نعلیٰ پر شیفتہ کی اشک بہانے دیکھا

۲

دن کو دکھلاتے ہیں حُسنِ آئنی افشاں کی بہار
دیکھ کر شبِ شعلہ ہائے آہ و افغان کی بہار

گل کھلائے شمع رُو نے مجھ کو سر سے پاؤں تک
غیر کے گھر دیکھ کر سرورِ چراغاں کی بہار

۱۔ از نسخۃ دیوان شیفتہ مخطوطہ رضا لاہوری رام پور مکتوبہ ۱۳۳۷ء۔
مرتبہ۔

جلوۂ صبحِ وطن کیوں کر نہ ہو وحشتِ فزا
یاد آتی ہے میں شامِ غریباں کی بہار
سو لگے کُلِ ہوش آگیا تھا ، دیکھ گل پھر غش ہوا
یاد آتی مجھ کو اس چاکِ گریباں کی بہار
سیرِ جنت سے ہو کیا واشد دلِ افسردہ کو
چھا رہی ہے شیفٹہ آنکھوں میں تو وان کی بہار

۳

گر کیجئے آس پری کی بیاں داستانِ رقص
ہو وجدِ اہلِ حال کو سن کر بیاںِ رقص
آنکھوں میں پھر گیا مری وہ رقصِ جانِ لواز
عارفِ مجھ سے زہرہ کا مت کر بیاںِ رقص
ہو مشتری کو خوبیِ کالا سے وجد و حال
وہ خود فروش کھولے کبھی گر دکانِ رقص
تھا دل کو رقصِ طائرِ بسمل کی طرح شب
سن کر عدو کے گھر میں تری داستانِ رقص
ہاں چاہیے صلہ مہِ زہرہ روش کو دیکھ
کیا خوب شیفٹہ نے کیا ہے بیاںِ رقص

۴

ابنی تیغِ لنگہ کی آب کو دیکھ
دلِ بے حوصلہ کی تاب کو دیکھ
کاٹتے ہیں بڑے در و دیوار
دیدۂ خائمانِ خراب کو دیکھ

آگے آس چلوے کے یہ تھا احوال
رو دیا ہم نے آفتاب کو دیکھ

مجھ سے بے خوابی کا سبب مت ہوچہ
اپنی ہی چشمِ نیم خواب کو دیکھ

شکوے کی جا نہیں کہ ہو گئے ہم
بے حجاب آپ کے حجاب کو دیکھ

کس پری زاد کا ہوں دیوانہ
غش میں ہوں اپنے انتخاب کو دیکھ

دل بے تاب پھر ہوا بے تاب
آس کی کاکل کے بیچ و تاب کو دیکھ

اب تو کہتے ہیں وہ بھی ، شیفتہ کے
دل لڑھکتا ہے ، اضطراب کو دیکھ

۵

اگر طاب کرے وہ مدِ عذار آئینہ
تو سہرِ نذر کرے زرنکار آئینہ

وہ گل نہ دیکھے کبھی آنکھ اٹھا کے گرچہ کرے
ہزار آہ بہ رنگِ ہزار آئینہ

پری کو شیشے میں بے تاب جس نے دیکھا ہو
ہوا وہ دیکھ کے یوں بے قرار آئینہ

نہیں ہے آپ حیا آس کی آنکھ میں شاید
ہے کس ڈھٹائی سے آس سے دوچار آئینہ

شہارِ غیروں کا کیجے تو طول کھینچے بات
بڑا ہے سب میں سخن ، اختصار آئینہ

تمہارے جلوے سے از بس کہ کھل گئی قلعی
مثال ماہ ہوا شرم سار آئینہ

مناسبت ہے کہ ہو ربط اس قدر باہم
ہمارا دل ہے اگر روئے یار آئینہ

ہمارے آئینہ چشمِ اشک یار کو دیکھ
کہ اس سے اور نہیں آبِ دار آئینہ

جیہی سمجھ گئے ہم دل میں آمدِ دشمن
ہنسا جو لا کے ترا رازدار آئینہ

ذوا نگاہ کرو شیفۃ کی شوخی کو
دھرا ہے چلو میں ہنگامِ کار آئینہ

متفرق فردیات

معجزِ حسن سے سب جن و بشر ہیں تسخیر
میری بلیس کو دعویٰ ہے سلانی کا
کس سمن رو کے لیے ہے کہ شرر کے بدلے
موجہ آہ کرے قصدِ گل افشانی کا
کسی^۱ بے تاب کو دیکھا کہ ہوا گرمِ عنان
کچھ لیا ڈھب ہے ترے رخس کی جولانی کا

خون بہنے سے مرا کیوں دل بھل ٹھہرا
شیفتہ دیکھ تو بڑھ کر کہیں قاتل ٹھہرا
قیس بے تاب ہے خود ، کون کہے لیلیٰ سے
سارباں تو ہی کسی حیلے سے بھل ٹھہرا

آف رے آدابِ محبت کہ ترے کوچے میں
جب تلک سر نہ رکھا پاؤں اٹھایا نہ گیا
غیر کے آنے کی رجش نہیں جاتی اس سے
مجھ پہ طوفان ، لو یاں کوئی نہ آیا نہ گیا

توڑیں گے خوب دھمکہ پرویز شیفتہ
گر اپنے ہاتھ تیشہ فرهاد آ گیا

۱- از کشن بے غار -

۲- از کشن بے غار -

لہ ہو تجھ کو ظاہر میں آلفت مری
تجھے میں نے چاہا تو کیا ہو گیا

شمع رو تیری طرح تجھ کو جلاتا میں بھی
اور تجھ سا جو کوئی شعلہ شائل ہوتا

شیفتہ آس سا ستم کار ہے اب مائل کیوں
اثر عشق سے الکار تجھے تھا نہ ہوا

شیفتہ آکھ وہ غیروں سے بھی شاید بھیرے
گر ہے ساقی کی طرف باز پسِ جامِ شراب

روزِ غم چرخ ، بڑھا دینا خوب
ہر شبِ وصل کو کوتاہ نہ کر

صورت دکھانے جانے ہیں وہ سن کے نزع میں
دشمن سزائے حسرتِ دیدار بھی نہیں
یوں کچھ کہو یہ غیر سے بھی نہ چکی کہ جان
تم بے وفا نہیں تو وفادار بھی نہیں
تم اور شیفتہ سے وفا کا کدہ دریغ
دشمن آئے سمجھتے ہو جو باز بھی نہیں

یہ کیا ستم ہے کہ یوں شیفتہ ہی کھل جائے
وہ شرم گئی کہ جو غیروں سے بے حجاب نہیں

غاصح آڑائیں سوزِ عیسیٰ کی دھجیاں
ہے اب بھی تجھ کو فکرِ گریباں کے چاک میں

کیا حاصل ایسی بزم میں جانے سے شیفقہ
جس جانے دورِ ہاش نہیں ، مرجا نہیں

کہا ہو گئی وہ چشمکِ لطف و لکھ بہر
کیوں آنکھ تری اب نہیں اے پردہ نشیں ، وہ

شکر ، پیروں کو موٹی آس دم لڑائی کی خبر
مجھ سے اور آس جنگِ جو سے جب صفائی ہو چکی
تیری جھوٹی سے ہے کیا ہے گر کبھی اس کے سوا
بادہ کش دیکھا ہو تو کہہ پارسائی ہو چکی
اب مبارک ہو تمہیں عیشِ وصالِ جاوداں
شیفقتہ تاب و تعبِ صرفِ جدائی ہو چکی

تہ کیوں کر اجل میرے قربان جانے
عبت میں آس کی ، مری جان جانے

ہے لوحِ دل ، دل کے طلب گار تھے وہ بھی
بہر کیوں کہ نہ شیون کریں ، شیون سے ہمارے

اے پردہ نشیں تو نے ہی بے پردہ دری کی
لا کسر جو دکھائی مجھے تصویرِ پری کی

وان ہے نسیم لے کے کہاں بُو نکل سکے
جس بزم میں تہ شمع کا آئسو نکل سکے

خود فروشی کا جو ہے آس و شکِ یوسف کو خیال
چرخِ والوں کا محلہ مصر کا بازار ہے

غربت میں دشت طے ہو جو آس کل کے ساتھ بہر
تہ خواہشِ وطن ، نہ ہوائے چمن رہے

رباعیات

۱

ماتا کہ بس اب مرا ستانا چھوڑا
اور داغِ لراق سے جلانا چھوڑا
ہر یہ کہو! جو سب سے بالا تر ہے
غیروں کے پاس کا بھی جانا چھوڑا

۲

میں جام نہیں کہ منہ لگائے مجھ کو
نے آئینہ جو شکل دکھائے مجھ کو
اے شیفتہ تصویرِ نہالی ہوں نہ غیر
کس طرح وہ ساتھ پھر ملائے مجھ کو

۳

انوس نہ مجھ پہ رحم آیا تم کو
بے درد و ستم شعار پایا تم کو
کیوں آگ ہو کیا میرے جلانے کے لیے
اللہ نے شعلہ رو بنایا تم کو

۴

جھوٹا ہے ترا قرار، چھوڑا تجھ کو
غیروں سے ہے تجھ کو پیار، چھوڑا تجھ کو
چاہا چھوٹے نہ چھوٹے عادتِ تیری
ناچار ہو میں نے یار، چھوڑا تجھ کو

۵

یگانہ ہوئے سب اقربا تیرے لیے
 دشمن بنے یار و آشنا تیرے لیے
 یہ کچھ گزری پھر اُس پہ تو کہتا ہے
 جھوڑوں کا رقیب کو میں کیا تیرے لیے

۶

ہم مر گئے تیری چاہ کرتے کرتے
 غیروں ہی سے نباہ کرتے کرتے
 کیا جانے سنگ دل تو ہے کون نہیں
 پتھر کے بھی دل میں راہ کرتے کرتے

مثالث

مائل ہیں اہلِ بزم بھی آزار کی طرف
 مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
 دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف
 اُس ماہِ وحش کے شوق نے مارا خدا ہمیں
 کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
 نکلتے ہیں کب سے روزِ دیوار کی طرف
 شب اور سوزِ رشک نے داغ اک نیا دیا
 وہمِ فغانِ یار نے سینہ جلا دیا
 آتش لگی تھی کوچہ دلدار کی طرف
 ہم ایسے ہجرِ ماہِ لقا میں ہیں بے قرار
 شامِ فراقِ خوابِ عدم کا ہے انتظار
 آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

دل چاک چاک شوخی ہے جا سے ہو گیا
 آس نے دکھا دکھا کے مجھے، چھڑ دیکھنا
 گل پھینکے عندلیب گرفتار کی طرف

دیوانہ ہے غلام تو ایمانِ عشق کا
 ہے کیا قبول سجدہ شہیدانِ عشق کا
 ہوں غوث، سر جھکاتے ہی تلوار کی طرف

بے دادیوں نے اور تمنا کا خون کیا
 دیکھ اشکِ لالہ گونِ رقیب آس نے ہنس دیا
 دیکھا نہ میرے دیدہ خون بار کی طرف

اب عشقِ لالہ رنگ کی سب کو ہوی خبر
 گل بانگِ لالہ ہے یہ لہا گلِ کھلا مگر
 کزری نسیمِ آہ چمن زار کی طرف

اک چرخ کیا کہ سب میں آدھر کیا کریں اسے
 اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے
 کی آ کے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

ہم داد خواہ ہو چکے روزِ نشور میں
 دل بعدِ قتل بھی نہیں بھرتا کہ گور میں
 منہ بھر گیا ہے کوئے ستم کار کی طرف

کہتا تھا آس سے شیفۃِ سوختہ جگر
 کار کئے لگا ہے تو ”مومن“ کے مت مگر
 دیکھ اپنے نقشِ رشتہ زناز کی طرف

مخمس

(غزل مومن)

فاسح کو حرفِ تلخ سنایا نہیں ہنوز
 شورِ فغان سے فتنہ اٹھایا نہیں ہنوز
 دمِ ہمدیوں کا ناک میں لایا نہیں ہنوز
 ہجراں کا شکوہ لبِ تلک آیا نہیں ہنوز
 لطفِ وصالِ غیر نے پایا نہیں ہنوز

ظہروں میں غیر کی بھی نہیں عزت و شرف
 ان سخت کوشیوں پہ ہوا کس قدر اخف
 عمرِ انتظار میں ہوئی کیسی مری لطف
 اے جذبِ دل وہ شوخِ ستم کر تو یک طرف
 پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

ثابت جیہی وفا ہو کہ ہو عشق میں وفات
 بے امتحانِ وصل پہلا یہ بھی کچھ ہے بات
 تا زیست کس طرح غمِ ہجراں سے ہو نجات
 یک چند اور کاہشِ غم ، چشمِ التفات
 میں ہار کی نظر میں سایا نہیں ہنوز

آئینہ دے کے حسنِ سب اُس کو جتا دیا
 یک بار آڑا کے پردہ اٹھانا سکھا دیا
 دیکھو غضب کہ غیر کو جلوہ دکھا دیا
 ایسے ستم کہے کہ مرا جی ہٹھا دیا
 ہر چند سرِ فلک نے اٹھایا نہیں ہنوز

کہہ دیجیو رقیب سے مل جائے گر کہیں
اب سے برا کہا نہ کرے ہم کو ہر کہیں
ہدگوہوں کی کمی بھی ہے اے بے خبر کہیں
ناصر رقیب سے ہے بد آموز تر کہیں
ہر میں نے تیرا حال سنا ہا نہیں ہنوز

ان گرم جوشیوں پہ ہیں افسردہ کس قدر
ہر ہر خلافِ طبع پہ ہوتی ہے چشم تر
جب قدر ہو کہ لوٹے مری طرح آگ پر
کیا سوزِ رشک کی دلِ اغیار کو غیر
دوزخ نے کافروں کو جلا دیا نہیں ہنوز

شیدا کو کیوں کہ شوخیِ شہدا یقین آئے
بدظن نہیں کہ جرأتِ بے جا یقین آئے
سچ ہو یہ خاک ایسا فسانہ یقین آئے
کیوں کر مجھے گناہِ زلیخا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

جب کچھ اثر نہ ہو تو نصیحت سے فائدہ
کچھ فائدہ نہ ہو تو شکایت سے فائدہ
جب ٹھہر جائے قتل تو مہلت سے فائدہ
ہوں خوں گرفتہ بارو شفاعت سے فائدہ
صدرِ اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز

اغیار گئے تو طعنوں کا اظہار کیا ضرور
اب وہ بھی چھیڑتے ہیں جو اس راہ سے ہیں دور
ظالم کہاں تلک دل بے تاب ہو صبور
واعظ ہمارے سانسے کرتا ہے وصفِ حور
سمجھا یہ تو نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

یہ تو کہاں آسید کہ بھیجے وہ گل عذار
اس فصلِ جانِ نواز میں گلِ دستہ، خواہ ہار
پر پیرِ داغِ تازہ سے ہے جان و دل نکار
جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو بہ بھول وہ لایا نہیں ہنوز

اب کے وفورِ عشقِ صنم میں ہے گفتگو
موسمِ وہ لب پہ ہائے خدایا نہیں ہنوز

تضمین

آرام کا کچھ دھیان نہ کچھ فکرِ طرب ہے
جلنے کی ہوس، شوقِ تپش، غم کی طلب ہے
جو تجھ کو ہے منظور، وہی مجھ کو بھی اب ہے
بہرہ بھی اگر تجھ سے نہ ہوئے تو غضب ہے
اے چرخ نہ گویم کہ بہ جامے خوشم انداز
یک بار دگر در کفِ آن آئشم الداز

منظور ہے گرتجھ کو کہ میں خوب جلاؤں
جتنا نہ ستایا ہو کسی نے، میں ستاؤں
تدبیر بہت سہل میں اک تجھ کو بتاؤں
مت مان گر آرام کی کچھ بات بتاؤں
اے چرخ نہ گویم کہ بہ جامے خوشم انداز
یک بار دگر در کفِ آن آئشم الداز

مے چند جگہ منحصر آرام و تماشا
 صحن چمن و ہائے غم و بزم احبا
 بت حائلہ جیں ، باغ ارم ، جنت ماوا
 آن کی نہیں خواہش کہ کچھ انکار کی ہو جا

اے چرخ نہ گویم کہ بہ جاے خوشم انداز
 یک بار دگر در کف آن آتشم انداز

مثنویات

۱

(تاریخ مسی مالی یا قوت لبان ، مروارید دندان)

ساقیا بس مے دو آتش لا
مثل خورشید و مہ دو جام پلا

روز و شب تا نشاط ہی میں رهوں
صبح و شام البساط ہی میں رهوں

ہے دو چند اب فضاے عالم تنگ
ہے زمانِ دو رنگ ، اب یک رنگ

دورِ ایام ہے الم سے نفور
رات کو عیش ہے تو دن کو سرور

یعنی دو نازنینِ دل آرام
جن کا ہے رنجو اور جنگو نام

صبحِ عیش ایک ، ایک شامِ سرور
روزِ عید ایک ، اک شبِ ہر نور

ہیں اگرچہ وہ دونوں مہ پیکر
لیک بالا تر آن میں بالا تر

۱۔ شیفہ کی محبوبہ رنجو نام ، نقائص نزاکت ، سلطان جن میں دفن ہوئی ۔
جنگو اس کی بہن میر رحیم علی مختار لوجدادی کے کھن میں پڑ گئی
تھی ۔ [تذکرۃ النساء نادری ، ص ۹۰]

ربط آہس میں ان کے حد سے زیادہ
 کہ وہ اک باغ کے تھے دو شمشاد
 تھے وہ گویا دو قالب اور اک جان
 دونوں کے دل میں ایک ہی ارمان
 سو نکالی جہم ہوس جی کی
 ایک دن ہے مسی کی شادی کی
 کیا کہوں بزمِ عیش کا عالم
 آئیں دونوں مسی لگا جس دم
 بزمِ تصویر کا سا سامان تھا
 تھا سیہ مست جو کوئی وان تھا
 مجھ میں جب ہوش اور حال آیا
 سالِ تاریخ کا خیال آیا
 شیفۃ ہے جو لالہ چینِ سخن
 کہا اس نے ”دو غنچہ سوسن“

۵۱۲۳۳

۲

(نامۂ شیفۃ جان گداز بہ جانبِ محبوبۂ دل نواز)

اے ساقِ عملِ تکیوں
 اے رونقِ بزمِ شمع رویاں
 اے زمرہ سنج، نغمہ پرداز
 اے ماہِ نقائے زہرہ انداز
 اے دل پر خلق و جانِ عالم
 گنجینۂ بحر و کلِ عالم

اے برقِ تہاں زمانۂ رقص
اے سروِ روانِ زمانۂ رقص

رفتار سے تیری صبرِ ہامال
ہم نفعۂ صبر، ہالکِ خلخال

کیا تو نے غضب کیا حدِ افسوس
بہرِ داغِ نیا دیا حدِ افسوس

چلے جو ہو "تھی کچھ جدائی
اُس سے ہی نہیں تھی تابِ آئی

یہ تازہ قلبی جو دے گئے تم
یعنی کہ وہاں چلے گئے تم

اس شہر سے کر گئے سفرِ ہائے
کی میری طرف نہ کچھ نظرِ ہائے

سوچے نہ کہ اس پہ کیا بنے گی
کس جانِ حزیں پہ آنے کی

دیکھا نہ کسی کی بے کسی کو
پہنچے نہ ذرا ستمِ دسی کو

عاشق سے یہ "رم، جو" کر گئے تم
ہاں اپنے ہی نام پر گئے تم

آہا نہ خیالِ دردِ مندی
دی زلف کے تار کو بلندی

کیا ہجر کے غم دکھائے تو نے
یہ کیا کیا ہائے تو نے

۱۔ نامِ محبوبہ "رمجو" ہے شیفہ نے منظوم مکتوب اُسی کے نام لکھا ہے۔ (مرآب)

وہ حرف کہ باعثِ ستم ہے
 کیوں کر نہ لکھوں کہ جوشِ غم ہے
 کیا غم ، غمِ رشکِ خود نمایاں
 الفتِ طلبیانِ بے وفاہاں
 کچھ اپنے نصیب کی شکایت
 کچھ بختِ رقیب کی شکایت
 کچھ حالِ دلِ وصال جو کا
 کچھ طعنہِ محبتِ عدو کا
 کچھ کچھ سروکار تازہ جاں کا
 کچھ کچھ گدہ و میلِ دشمنان کا
 طاقت ہی نہیں کہ چپ رہوں میں
 بتلا دے اگر غلط کہوں میں
 ہر دم ہے یہاں خیالِ تیرا
 اوروں سے ہے وں وصالِ تیرا
 یاں آئیں غم سے سینہ ہریاں
 واں اشکِ طرب سے دہنہ گریاں
 یاں شعلے کی طرح دل تھاں ہے
 تو بزمِ فروزِ دشمنان ہے
 یاں جامِ مہی جاے مے ، لہو ہے
 تو ساقِ محفلِ عدو ہے
 کیوں کر نہ تمہیں برا کہیں اب
 جو ہم پہ کرم تھے اُن پہ ہیں سب
 کچھ بلکہ زیادہ مہربانی
 ربطِ دل و الفتِ زبانی

اب تازہ رعب شاد ہوں گے
 ہم گاہے کو تم کو یاد ہوں گے

کچھ بھی نہ رہی امیدواری
 ہر یاد کئی وںا ہماری

خوگر تھے سدا سے اس الم کے
 پر کچھ نہ کہ اس قدر ستم کے

آس ظلم میں پھر عنایتیں تھیں
 گو جب ابھی ہمیں شکایتیں تھیں

رہنے تھے بحال گاہے گاہے
 ہوتا تھا وصال گاہے گاہے

جب عالم وصل یاد آیا
 حسرت نے ٹھکانے ہی لگایا

یاد آئے ہے وہ زمانہ عیش
 ہے وود زباں فسالہ عیش

وہ تیری فسوں گری کی باتیں
 دل داری و دل سری کی باتیں

وہ طور کہ جس میں آن نکلیے
 وہ لاز کہ جس پہ جان نکلیے

وہ قہر کہ جس سے ہو عیاں لطف
 ظاہر میں عتاب پر نہاں لطف

دالان جو غیرتِ ارم تھے
 ہم تم شبِ وصل واں ہم تھے

وہراں کدہ جنوں بنے ہیں
 غیرتِ دہ 'بے متوں' بنے ہیں

وحشت ہے مجھے ہر اک مکان سے
 بیٹھا جہاں بس آٹھا وہاں سے
 آنکھوں سے ہے میلِ اشک جاری
 ڈوبے کہیں کاش بے قراری
 آتا ہوں میں بار بار در تک
 بے تابی ہے شام سے سحر تک
 ٹپکے ہے لہو سدا نظر سے
 خون ریزی ہے شام تک سحر سے
 بے تابی جانِ زمانِ زمان ہے
 اے سائبۂ عیش تو کہاں ہے
 گو پاس ہے کوئی یا نہیں ہے
 ہر مجھ کو خبر ذرا نہیں ہے
 بے ہوشی اور بے حواسی
 دشوار ہے خوبشتِ شناسی
 بے ہوشی سے صدمہ جان پر ہے
 جودل میں ہے سو زبان پر ہے
 ہوتا ہے عیاںِ ضمیرِ نہانی
 قابو میں نہیں ہے جانِ 'جانی'
 ہر دم یہ کلامِ وردِ لب ہے
 جلتا ہوں فراق میں غضب ہے
 ہر لحظہ یہ حرف ہے زبان پر
 آجلد کہ آہنی ہے جان پر
 ہر روز جفاے غمِ فزوں ہے
 جوں چشمِ امید غرقِ خون ہے

لحفلت نہیں تیری اب تلک کم
کیوں کر نہ زیادہ ہو مجھے علم

جس دن سے گئے ہو یعنی باں سے
خط بھی نہیں بھیجا اپک واں سے

کرتے نہیں خط رواں ، نہ کیجے
آزادی کا خط تو بھیج دیجے

تا ہاے سزا یہ جانِ مشتاق
ہووے نہ جدائیِ بدنِ شاق

آئید سے زندگی ہے اب تک
ایما ہو کہ آچکی ہے لب تک

کیوں کر نہ ہو اضطرابِ نامہ
میں منتظرِ جوابِ نامہ

ہر شب ہے زیادہ بے قراری
رحلت ہے یہاں سے اب ہجاری

کھینچا سوئے دشت بھر جنوں نے
پھر ہم کو بھایا سیلِ خوں نے

لو شہر ہی چھوڑ کر چلے ہم
تم واں گئے اور ادھر چلے ہم

کیا وصلِ محال ہو گیا اب
تھا خوابِ خیال ہو گیا اب

تم آئے تو ہم بھی آئیں گے باں
دیکھیں گے تو منہ دکھائیں گے باں

ورنہ کہیں ہوں ہی مر رہیں گے
نا کام ہی کام کر رہیں گے

لازم تو یہ ہے کہ جلد آؤ
 پھر جلوۂ نوبہ نو دکھاؤ
 ظالم نہ ہوا تھا ہے ونا تو
 انصاف سے دیکھ تو ذرا تو
 یہ شیفتہ کیا ہی شیفتہ ہے
 آخر یہ ترا ہی شیفتہ ہے
 اس پر توجہ ضرور ہے رحم
 ہر چند کہ تجھ سے دور ہے رحم

۳

(ہجرانِ فسانۂ شیفتہ جاں باز پیشِ نازنینِ مستِ خوابِ ناز)

اے سراہا جفاے نا انصاف
 بے وفا، ست عہد، وعدہ خلاف
 تم جو آئے نہ ساتھ ”مورچ پور“
 روزِ روشن ہوا شبِ دیچور
 جب کہ دریا سے ہم اتر آئے
 آکھ میں اشکِ سرخ بھر آئے
 اور جب اس طرف روانہ ہوئے
 ساتھ سب صف بہ صف روانہ ہوئے
 تازبانے تھے لاکھوں ”توسن“ پر
 نہ تک و دو کو، جرمِ رقت پر
 آتیں ہم رکاب تھیں ہر دم
 راحتیں سو عذاب تھیں ہر دم

حسرتیں لحظہ لحظہ آتی تھیں
کافئیں خاک میں ملاتی تھیں

زخمِ قطعِ زمیں سے تھے کیا کیا
مشورے ہم نشیں سے تھے کیا کیا

گفت گوئے مراجعت ہر دم
آرزوئے مراجعت ہر دم

شہر سے جتنی دور ہوئے تھے
اُس قدر زار زار روئے تھے

لفظِ ہا تھی ہر قدم کیا کیا
دم بہ ہتی تھی دم بہ دم کیا کیا

ناکہ اک اور ہی بلا آئی
کیسی منزل مری قضا آئی

جب آنر بیٹھسے آہ منزل میں
لک آئیں آگِ خالہ دل میں

نہ بھی بے گنہ جہنم سے
جل گئی جانِ آتشِ غم سے

شعلہِ ہائے فغاں نے پھونک دیا
ہائے سوزِ نہاں نے پھونک دیا

جب شبِ وصلِ یاد آتی تھی
شامِ تنہائی بھول جاتی تھی

دھیان میں تھے جو تیرے لطف و کرم
قالہ زن تھے کہ ہائے ہائے ستم

دم بہ دم جی چلا ہی جاتا تھا
وقتِ رغبت کا یاد آتا تھا

نہیں وہ وعدہ وفا کے ساتھ
وہ یہ کہنا ترا ادا کے ساتھ

کب تلک آؤ گے یہ کہہ جاؤ
اچھی تم آج اور وہ جاؤ

چشمِ زہراب حسرت آلودہ
وہ نگاہیں مروت آلودہ

دمِ رخصت چمٹ کے لگنا کلمے
اور وہ کہنا کہ تم تو سچ ہی چلے

یہ جو ہر دم خیال آتے ہیں
لشک کے ساتھ ہوش جاتے ہیں

وہی صحت مجھے دکھائے خدا
جلد پھڑوں کو پھر ملائے خدا

حسرتوں سے نظر تھی سوئے فلک
جوں شبِ غم سیاہ زوئے فلک

کہتے تھے ہاے کیا کیا تو نے
سہروش کو جدا کیا تو نے

بس کہ تکلیفِ تازہ جاں پر تھی
دم بہ دم یہ غزل^۱ زباں پر تھی

۱۔ غزل (۹) موجودہ دیوان میں ہے؛ مثنوی میں اشعار (۳۱۲۱، ۳۱۲۲، ۳۱۲۳، ۳۱۲۴) ہیں اس لیے اشعار نقل نہیں کیے صرف دو شعر جو مطبوعہ دیوان میں نہیں ہیں نقل کر دیے ہیں۔ حالی

غزل

ہاتھ اٹھا کر نہ جا عدو کی طرف
میں ہوں ہاسال تیری ٹھوکر کا

شبِ غم واعظوں نے کب دیکھی
کیوں نہ ہو خوفِ روزِ محشر کا

بس کہ آرام کا خیال نہ تھا
گھر تلک پہنچنے کا حال نہ تھا

رہے باہر ہی رات کو ناچار
مرک سے شاد ، زیست سے بے زار

تین دن تک ہیں رہا احوال
کہ لگے تھا برا ، بھلا احوال

روزِ یک شبہ پھر روانہ ہوئے
غیرتِ گردشِ زمانہ ہوئے

یعنی اس سے تو اور پر ہے عذاب
ہم ہیں گردش سے اپنی آپ غریب

پہنچی منزل کو کیوں کہ کہوویں ہم
یعنی منزل کو پہنچیں گے اس دم

کہ وہ وعدہ ونا کرو گے تم
حقِ آفت ادا کرو گے تم

رمضان بھی قریب ہے لیکن
مجھ کو شورِ نشور ہے ہر دن

کس کو صبر و سکون کا یارا ہے
 تلخ کاسی کہاں گوارا ہے
 کس طرح دل کو اپنے سخت کروں
 کیوں کہ چھاتی پہ پتھر آہ دھروں
 سب برابر ہیں جب کہ ٹھہری بات
 لیلۃ القدر ہو کہ شامِ برات
 کب تلک میں ملوں ، حیران ہوں
 دیر سے کیا حصولِ حیران ہوں
 مجھ کو بلواؤ یا تم آپ آؤ
 جلد ٹھہراؤ جلد ٹھہراؤ
 اور توبہ کو بھی قیام رہے
 صحنِ خانہ ہی میں خرام رہے
 باد رکھو وہ سیکڑوں قسمیں
 آلیومت رقیب کے بس میں
 کیجیو مت خیالِ خامِ سفر
 لائیو مت زبان پہ نامِ سفر
 حرف لانا نہ بات پر اپنی
 پختہ رہو صفات پر اپنی
 جان پہ لب ہوں فلک کے کینے سے
 آگے مت پڑھو اس مہینے سے
 کہ مجھے ہے یہ ناگوار بہت
 ہوں مری جان بے قرار بہت
 گو کہ ہووے رقیب دورِ زمان
 پر نہیں صبر عید تک بھی یہاں

مان لے التماس یہ میرا
 تیرے قربان شیفۃ تیرا
 مجھ کو پہنچاؤ مدعا کو تم
 دیکھنا پھر مری وفا کو تم
 مہرے مہرے یوں ہی لبابوں کا
 تم سے افزوں وفا کو چاہوں گا

۴

(نامۂ مہر تصویر ، بہ خدمت یارِ ماہِ نظیر ،
 بہ گونہ گونہ درازِ نفسی ہا ، بہ شرحِ طولِ شبِ ہجران
 و تمنائے طلوعِ ستارۂ سحری ، یعنی بہ مددِ گاری
 انجمِ فوزِ نعمتِ وصالِ آن ہم جلوۂ خورشیدِ درخشان)

اے گلِ بوستانِ ناز و ادا
 اے مدِ آہانِ مہر و وفا
 اے تمنائے جان و خواہشِ دل
 اے فزون سازِ شوق و کاشتِ دل
 اے سمن ہویے نثرِ اندام
 لالہ رخسار ، سرو قد ، گلِ نام
 گلِ رعنائے باغِ رعنائی
 دُرِ یکتائے بحرِ یکتائی
 اے تسلیِ خاطرِ بے تاب
 سایۂ اضطرابِ شیخ و شاب
 اے ستم کش ، بے وفا ، عیار
 اے دل آرام ، دل ربا ، دل دار

تم سے رغبت ہو میں ادھر آیا
الکھ میں جاے خون جگر آیا

میری بے تابیوں سے ہو مضطر
جان آتی وداع کو لب پر

آہ و زاری نے یہ ہوا باندھی
نفسِ سرد سے چلی آندھی

جوشِ گریہ سے تھا روانِ دریا
مگر اس جوش کا کہاں دویا

جس کا ہر قطرہ شکل طوفان کی
آہروِ خاک جس سے عہاں کی

لیم موجِ آس کی غیرت 'جیچوں'
رشتک سے جس کے 'نیل' کا دل خون

منفعلِ رعدِ آہ و افغان سے
آب ، آب ، ابرِ چشمِ گریاں سے

ناوکِ نالہ و قبِ گردنِ چرخ
شررِ آہِ برقِ خرمنِ چرخ

جوشِ ہر بے قراریِ دل تھی
رشتکِ انزائے مرغِ بسمل تھی

کیا کہوں اضطراب کا عالم
کارخانہ جہاں کا تھا برہم

آدمی جن پر ، آدمی یہ ملک
آہاں پر زمیں ، زمیں یہ ملک

کیا کہیں بے خودی کا ہم عالم
پہروں آئے نہیں ہیں آپ میں ہم

صورِ افغان سے حشر برپا ہے
تو بھی جیتا ہوں کیا محاشا ہے

ہاتھ سے دل کے ، رخ میں کیا کیا
ہاتھ دل سے آٹھا تو جی بیٹھا

دو الم ، کیوں نہ ہووے طاقت طاق
آرزوے وصال و ریخِ فراق

کیا بلا ہے شبِ فراق سیاہ
طالعِ تیرہ ہے جس کے سامنے ماہ

نہیں دخلِ نجوم و ماہ کہیں
دلِ کافر سے بھی سیاہ کہیں

روز و شب میں کمیز ہو نہ کبھو
زلف و رخ میں نہ فرق ہو سرِ مو

فی التمثل شمس گر ہو جلوہ فزا
آس کا سایہ ہو سایۂ عنقا

آس کے ظل کا کوئی نشان نہ پائے
لاکھ مشعل ہزار شمع جلانے

کیا ڈراتی ہے یہ شبِ دیجور
شمع کے منہ سے آڑ کیا ہے نور

روزِ محشر سے جاں گداز کہیں
آپ کی زلف سے دراڑ کہیں

ہجر کی شب بسر نہیں آتی
ہانکِ مرغِ سحر نہیں آتی

سچ ہے کیا ہو ظہورِ نورِ سحر
سہر پر منحصر ظہورِ سحر

سو وہ ہے شمعِ بزمِ عشرتِ بار
 کچھ نہیں اور چارۂ شبِ تار
 کہ کسی ڈھب سے واں تلک پہنچوں
 محفلِ خسوزِ نشانِ تلک پہنچوں
 رحم اے کلشِ چرخ کو آئے
 کہ تری انجمن میں پہنچائے
 من لیے افغانِ چرخِ رس کو مری
 دیکھ لیے تنگیِ نفس کو مری
 سوچے مضمونِ آمِ بسل کو
 اس سے افزوں نہ خونِ کرے دل کو
 کرے دردِ دلِ تباہِ بہ نگاہ
 چشمِ خونِ جگرِ نشانِ بہ نگاہ
 طاعتِ ضبطِ اضطراب نہیں
 صبر کرنے کی اب تو تاب نہیں
 اے فلک گردشِ دژم سے حصول
 اے فلک کینہ و ستم سے حصول
 اے فلک تجھ سے ہو چہتے ہیں ہم
 رحم بہتر ہے خلق پر کہ ستم
 سوچ تو رحم ہے صفت کس کی
 مرحمتِ امت و مغت کس کی
 کیوں جفا سمجھیں سہل اہلِ جفا
 کس سخن کے ہیں اہل ، اہلِ جفا
 شیفہ چرخ سے شکایت کیوں
 اس ستم گار سے حکایت کیوں

کیا ہوں شرم ، کیا ہوں حیرت
ایسی باتوں سے مجھ کو ہے حیرت

اس قدر زاری و تذلل کیوں
اس قدر غاسیِ تحمیل کیوں

اس کو کیا تاب و طاقت ہے داغ
کیا سپر اور سپر کی بنیاد

اے جس وقت شعلہ افشاں ہو
آسمان بہتہ فروزان ہو

آسمان سے خطاب ہے حاصل
عاجزی و عتاب ہے حاصل

اب دعا کیجئے منتظر ہے اثر
لالچے آرزوئے دلِ لبِ ہر

تاکہ ہزمِ جہاں ہے جلوہ فرا
تیری محفل میں ہوں میں ہزمِ آرا

تاکہ ہے ماہ ، آسمان پہ ہدید
تیرے گھر میں ہو روزِ عشرتِ عید

نظم

”زوال بہادر شاہ ظفر اور دہلی کی بربادی پر“

ہائے دہلی و زہے دل شدگانِ دہلی
آپ جنت میں ہیں اور دل نگرانِ دہلی

وہی جلوہ نظر آتا ہے تصور میں ہمیں
مٹ گئے ہر بھی یہ باقی ہے نشانِ دہلی

”کلِ یومِ ہوائِ شان“ کی جلوہ گری
کیا ہوا گو نہ رہی شوکت و شانِ دہلی

تھیں جو انہار ہستی کی حکایت نہریں
وہی نہریں ہوئیں اب اشکِ روانِ دہلی

گرنہ کہیں کہ یہ دہلی ہے تو ہر گز نہ بڑے
دلی والوں کو بھی دلی ہے کھانِ دہلی

دلی اب ہے تنِ بیجاں تنِ بیجاں کیا خاک
جان سے جا چکے جو لوگ تھے جانِ دہلی

کس طرح پردے سے نکلے ”ارم ذاتِ عباد“
ابھی موجود ہیں دو چار مکانِ دہلی

ربعِ مسکوں سے زیادہ ہے بہت وسعت میں
چاندنی چوک کہ واقع ہے میانِ دہلی

صورتیں ہو گئیں معنی ، جسد ، ارواح ہرے
بے خبر کہتے ہیں ویراں ہے جہاںِ دہلی

رند ہریان کے کریں رشک ثقاتِ امصار
بادشاہوں پہ کریں ناز شبانِ دہلی

دل قدح ، بادہ محبت ، گل و رحمان عرفان
کچھ نئے رنگ کے ہیں بادہ کشانِ دہلی

پرخوش راے اگر ہیں تو جوان ہیں خوش رو
عجب انداز کے ہیں بیر و جوانِ دہلی

شیفتہ اور ستائش کے نہیں ہم خواہاں
یہی بس ہے کہ کہیں ، ہے یہ زبانِ دہلی

اختلاف نسخ

دیوان مخطوطہ اور دیوان مطبوعہ شیفتہ

غزل (۱) شعر ۳ دیوان مخطوطہ میں اس طرح ہے :

ہم دیکھتے ہیں رنگ لڑے گل میں خار میں
گرچہ کسی نے رنگ نہ دیکھا شمع کا

شعر ۵ مصرع اول :

واجب بغیر ممکن (?) ممکن ہے یہ کہیں

شعر ۱۰ کا مصرع اول مخطوطے میں یہ ہے :

”زاہد ہے ہم ناک گندے سے سنا نہیں“

غزل (۲) یہ مطلع مخطوطے میں زیادہ ہے :

ہے بس کہ جان دہی اثر آس کی شمع کا
عیسیٰ کا دم ہوا مجھے جھوکا نسیم کا

غزل (۳) یہ مطلع مخطوطے میں زائد ہے :

کیا ہووے شام روز جزا ڈھب نجات کا
باقی ہے انتقام ابھی عشرت کی رات کا

شعر ۲ مخطوطے میں اس طرح ہے :

کیا جالیے کہ کس کے میں دعوے (وعدے) کا بخو ہوں
ہے اعتبار زندگی بے ثبات کا :

شعر ۴ مخطوطہ ابتدائی صورت کو پیش کر رہا ہے ، بعد میں
شیفتہ نے تبدیل کر دیا :

جب غیر پر خفا ہو تو مجھ پر کرو کرم
مشتاق ہاں نہیں کوئی اس التفات کا

نسخہ مخطوطہ میں شعر ۸ بھی ابتدائی حالت کو واضح کر
رہا ہے ، بعد میں تبدیلی کی گئی ہے :

ہے بس کہ جوشِ گریہ خوفی دمِ رقم
نامہ نہیں مرا یہ ورق ہے برات کا

یہ شعر مخطوطے میں زائد ہے :

تھے اپنے حق میں زہر جو وہ لعل شکریں
سم میں مزا ملا ہمیں قند و نبات کا

نسخہ مخطوطہ میں مقطع یہ ہے :

اندوہ روزِ ہجر کسی ڈھب سے کم تو ہو
پھر قصہ چھوڑ شیفتہ عشرت کی رات کا

اختلاف نسخ

غزل (۲) شعر ۸ مصرع اول۔ اُس رشکِ گل کے بسترِ گل سے
 ہے احتراز (نسخہ ۱، ۲، ۳) لیکن نسخہ ۲ اور ۵ میں بجائے ”کے“
 ”کو“ ہے۔

غزل (۳) مقطع مصرع ثانی۔ ژلد (نسخہ ۱، ۲) ژلد -
 (۵، ۳، ۲)

غزل (۶) شعر ۷ مصرع ثانی۔ وہی (نسخہ ۱، ۲، ۳، ۴)۔
 یہی نسخہ ۵ -

غزل (۷) مطلع مصرع اول۔ ہر (نسخہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵) ۴
 (نسخہ ۳) -

غزل (۷) مقطع مصرع ثانی۔ سنایا دل کا (نسخہ ۱) غلط ،
 سنایا (۲، ۳، ۴، ۵) صحیح نافیہ ہے -

غزل (۸) شعر ۵ مصرع اول۔ مصروف ہے بہت وہ ہمارے
 علاج میں (نسخہ ۲، ۳، ۴، ۵) نسخہ ۱ میں ”وہ“ نہیں -

غزل (۸) شعر ۶ مصرع ثانی۔ نے چرخ - (نسخہ ۲، ۳، ۴، ۵)۔
 نہ چرخ - (نسخہ ۱، ۲) -

غزل (۸) شعر ۸ مصرع اول۔ مے کدہ - نسخہ اول میں
 غلط ہے - بقیہ نسخوں میں ”مے کدہ“ صحیح ہے -

غزل (۹) شعر ۳ مصرع اول۔ بھرنے - نسخہ اول غلط ،
 ”بھرنے“ صحیح ہے -

غزل (۹) مقطع میں ”خیال“ نسخہ ۱ میں غلط ہے۔
صحیح ”خیال“ ہے۔

غزل (۱۰) شعر ۲ میں ”بہر“ نسخہ ۱ میں غلط ہے،
صحیح ”بہر“ ہے۔

غزل (۱۱) میں مقطع سے پہلے نواں شعر ”کیا دیر“ نسخہ
۳ اور ۵ میں چھوٹ گیا ہے۔ نسخہ ۱، ۲، ۳ میں ہے۔

غزل (۲۹) شعر ۴ مصرع ثانی۔ نسخہ ۱، ۲ ”ہوائی“۔
نسخہ ۴ ”ہوا اے“ نسخہ ۳، ۵ میں ”ہوا ہے“ صحیح۔

غزل ۳۱ شعر ۸ مصرع اول۔ ”پناؤ ہیں“ نسخہ ۱، ۳ میں۔
”پناؤ میں“ نسخہ ۲، ۴، ۵۔

غزل (۳۳) مطلع مصرع ثانی۔ نسخہ ۱، ۳ میں ”ہوش و حواس“،
نسخہ ۴ میں ”ہوش و ہواس“۔ نسخہ ۲، ۵ میں
”ہوش و حواس“۔

غزل (۳۹) شعر ۵ مصرع اول۔ نسخہ ۱، ۳، ۴ میں ”کل“،
نسخہ ۲، ۵ میں ”کل“ ہے۔

غزل (۷۴) شعر ۵ مصرع ثانی۔ نسخہ ۱ تا ۴ ”شوق کا“۔
نسخہ ۵ ”شوق کو“۔

غزل (۶۴) شعر ۹ اول۔ ”ماوالتنہیں“ نسخہ ۱، ۳، ۴۔
لیکن نسخہ ۲، ۵ میں ”ماذالتنہیں“ ہے اور مصرع ثانی میں
”ماوالقتلن“ نسخہ ۱، ۳، ۴ میں ہے۔ نسخہ ۲، ۵ میں ”ماذالقتلن“ ہے۔

غزل (۶۹) شعر ۶ مصرع ثانی۔ ”روکھتی“ نسخہ ۱، ۳، ۴ میں
”روکھتے“ نسخہ ۲ میں ”روکھتی“ نسخہ ۵۔

غزل (۷۰) شعر ۸ مصرع اول۔ ”رتیب ہے“ نسخہ ۱ (ص ۳۷)،
نسخہ ۲ (ص ۴۰)، نسخہ ۳ (ص ۳۵)، نسخہ ۴ (ص ۵۰)۔

میں ”رقیب ہے“ نسخہ ۵ (ص ۱۳۱) میں ۔

غزل (۵۷) شعر ۸ مصرع ثانی۔ ”قن آزار“ نسخہ ۱ (ص ۳۹) ،
۲ (ص ۳۶) ، ۳ (ص ۳۸) ، ۴ (ص ۵۳) میں ”قن زار“ نسخہ ۵
(ص ۳۶) میں ۔

غزل (۸۶) شعر ۴ مصرع ثانی۔ ”جوش“ نسخہ ۱ تا ۴ میں ،
نسخہ ۵ ”ہوش“ ہے ۔

غزل (۸۸) مقطع مصرع ثانی۔ ”شیرین گنتار و خوش نوا ہوں“
نسخہ ۱ ، ۲ ، ۵ میں ۔ نسخہ ۳ ، ۴ میں ”و“ نہیں ہے ۔

غزل ۸۹ شعر ۸ مصرع ثانی۔ ”ہاے ہاے“ نسخہ ۱ ، ۲ ، ۴ میں
”ہاے جاے“ نسخہ ۳ ، ۵ میں ۔

غزل (۹۹) شعر ۵ مصرع اول۔ ”فس“ نسخہ ۱ ، ۲ ، ۴ میں
نسخہ ۳ ، ۵ میں ”نقش“ ہے ۔

غزل (۱۰۵) شعر ۲ مصرع ثانی۔ ”لام و کاف“ نسخہ ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵
میں ۔ نسخہ ۲ میں ”لام کاف“ ہے ۔

غزل (۱۱۰) شعر ۲ مصرع اول۔ ”مانگتا“ نسخہ ۱ ، ۴ اور
”مانگتا“ نسخہ ۲ ، ۳ ، ۵ میں ۔

غزل (۱۱۳) شعر ۸ مصرع اول۔ ”نسخہ اول“ ”جی چلائے“
اور نسخہ ۲ تا ۵ میں ”جی جلائے“ ۔

غزل (۱۲۷) شعر ۲ مصرع ثانی۔ ”کے لیے“ نسخہ ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵
میں ۔ نسخہ اول میں ”لیے“ طباعت سے رہ گیا ہے ۔

غزل (۱۲۷) شعر ۱۰ مصرع اول ۔ ”میں نے“ نسخہ ۱ ، ۲
میں ۔ نسخہ ۳ ، ۴ ، ۵ میں ”ہم نے“ ہے ۔

غزل (۱۲۷) شعر ۱۳ مصرع ثانی۔ ”جذب“ نسخہ ۱ ، ۲ میں ۔
نسخہ ۳ ، ۴ ، ۵ میں ”جذب“ ہے ۔

غزل (۱۲۷) شعر ۱۴ مصرع اول۔ ”ہایہ کم پر شریکوں سے

قناعت لنگ ہے۔ نسخہ اول میں۔ نسخہ دوم میں بجائے ”لنگ“
 ”لنگ“ ہے۔ نسخہ ۳، ۴، ۵ میں بجائے ”شریکوں“ کے
 ”شریفوں“ ہے۔

غزل (۱۲۷) شعر ۱۵ مصرع ثانی۔ ”ہو“ نسخہ ۱ تا ۴ میں۔
 ”ہر“ نسخہ ۵ میں۔ مرتب

غزل (۱۳۱) شعر ۲ مصرع اول۔ ”آس کو“ نسخہ ۱ تا ۴ میں۔
 ”آس کا“ نسخہ پنجم میں۔

غزل (۱۳۷) شعر ۷ مصرع اول۔ ”یار“ نسخہ ۱ تا ۴ میں۔
 نسخہ پنجم میں ”بار“ ہے۔

غزل (۱۴۴) مقطع مصرع ثانی۔ ”ہری“ نسخہ ۱، ۲ میں غلط۔
 ”ہری“ نسخہ ۳، ۵ صحیح ہے۔

غزل (۱۴۸) شعر ۸ مصرع اول۔ ”مشرف“ نسخہ ۱ تا ۴ میں۔
 ”مائل“ نسخہ ۵ میں۔

غزل (۱۵۱) شعر ۸ مصرع ثانی۔ ”بھی“ نسخہ ۱، ۲، ۳ میں۔
 ”ہی“ نسخہ ۴، ۵ میں۔

غزل (۱۵۳) شعر ۲ مصرع اول۔ ”تذکرہ صلح شیر کا نہ کرو“
 نسخہ ۱، ۲ میں۔ ایک ”نہ کرو“ زیادہ ہے۔ ”تذکرہ صلح کا کرو
 نہ کرو“ نسخہ ۳، ۴، ۵ میں ہے۔ صحیح نسخہ اول ہے۔

غزل (۱۶۰) شعر ۸ مصرع ثانی۔ ”سمجھے“ نسخہ ۱ تا ۴ میں۔
 نسخہ ۵ میں ”جانے“ ہے۔

غزل (۱۶۹) شعر ۵ مصرع اول۔ ”آشیان“ نسخہ اول میں
 غلط ہے۔ نسخہ ۲ تا ۵ میں ”آہاں“ صحیح ہے۔

نرد ۴ مصرع اول۔ ”اہنی“ نسخہ ۵ میں غلط۔ نسخہ ۱ تا ۴
 میں ”اس کی“ ہے۔

نثر خاتمہ

دیوان شیختہ مزاجان و بیان آہفتہ بیابان تا بسم اللہ مدبروے
معشوقۃ الحمد بر پیشانی نہ کشد بہ سبہ چردگان نون والقلم
وسا یسترون (یسطرون) در نہ دہد ابتدایں چون ساکن دشوار و
انتہایش ہم چو تھریک الف دور از کار ، وقتی رسیدہ کہ در سکر پایان
رسیدن این دیوان بے پایاں و نہایت ورزیدن این نسخۂ نمایان
سراپائے خود را چون خامہ بہ سجدہ ہمدہم و رگ جان را چون
رشتہ شمع بہ سررشتہ سوز و گداز در کشم - مٹصدی اداے پکے از
صد مدارج شکر صدگانہ نتوانم شد - و گزارش دہ بجا آوری ادنا
مراتب سپاس ہزار درجہ لبایدم گشت -

الحمد لله والمنة کہ دریں ایام مسرت التیام و دریں زمانہ
فرحت انجام این دیوان سلاستہ سلسلۂ خاندان امارت - دودۂ چشم و چراغ
دودمان ابالت ، شیریشہ مردی و مردانگی ، شمشیر معرکہ
فرہنگی و نورالکی ، بلبل گلستان سخن ایجاد ، صلصل سروستان
بخردی و آزادی ، آب یار گلشن بے خار تصور ، دست یار چمن بر بہار تفکر ،
آئینہ دار معنی آب کار ، آبرو بخش الفاظ آب دار ، سخن را باطبعش
چون جوہر و آئینہ ربطے و معنی را با فکرش چون لفظ و معنی ضبطے ،
قلمش قفل معنی را کلید رقمش روزہ داران خوبی را رویت ہلال عید
بہ بادہ فروش ، بہ رباعی ظفر مظفر و قند معنیش پر مذاق ذوق مکرر ،

ناظر بصر ، ناظر نظر ، ناسخ راسخ ، راسخ ناسخ از اوج فکر رسا
و ذهن ذکاوتش بلندی فطرت فلکی عرشی ، و هلالی و شمسی با هستی
منضم و با روشنی* فکر عالی کمال خیالش (شعشعه) انوری آتش
شرر شعله به تازگی بے هم مصحفی در شان او بعد از حمد اخلاص
خوان و هوش و جوش در حق آن خط شاگردی کشان به تدبیر پیر و
به همت جوان نواب پند مصطفیٰ خان به اہکار معنی شیفته و باسیہ
چردگان الفاظ فریفته - به صحت تمام به اہتمام شیخ مدد علی به اختتام
رسید و به دست باری کارپردازان لباس مطبوع طباعی در برکشید -
نقط

(صفحه ۸۹ دیوان شیفته طبع اول مطبع آئینہ سکندری میرٹھ)

مجلس ترقی ادب لاہور کی چار بلند پایہ تحقیقی مطبوعات

● — مومن : اردو کے مشہور شاعر حکیم
محمد مومن خان مومن کے حالات زندگی
(تحقیق کی روشنی میں)

تالیف کلب علی خان فائق ۵۰/ ۵

● — ذوق، سوانح اور انتقاد : خاتمی ہند

شیخ محمد ابراہیم ذوق کے سوانح حیات اور
ان کی شعری خصوصیات پر جامع تبصرہ۔
تالیف : ڈاکٹر تنویر احمد علوی

مقدمہ : پروفیسر سید عابد علی عابد ۸/ ۰۰

● — مرزا محمد ہادی مرزا و رسوا : مرزا

رسوا اور ان کے ادبی کارناموں کا تعارف۔

تالیف : ڈاکٹر میمونہ بیگم انصاری ۶/ ۰۰

● — ڈراما نگاری کا فن : ڈرامے کی

خصوصیات ، تکنیک اور اصناف پر

عالمانہ بحث۔

تالیف : ڈاکٹر محمد اسلم قریشی ۶/ ۵۰

